کلا انہا تذکرۃ فمن شاء ذکرہ ❖ یہ ایک نصیحت ہے پس جو چاہے اس سے عبرت اندوز ہو

ماہنامہ تذکرہ کراچی

اگست ۱۹۵۴ء - قیمت فی پرچہ چھ آنے

مدیر

جلد ۲
شمارہ ۶
اگست سنہ ۱۹۵۴ء
مطابق
ذی الحجہ
سنہ ۱۳۷۳ھ

ماہنامہ تذکرہ کراچی

قیمت
فی پرچہ، چھ آنے
سالانہ، چار روپے
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ
دفتر ماہنامہ "تذکرہ"
آرام باغ فریئر روڈ
کراچی
پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برسبیلِ تذکرہ

حج بیت اللہ

حج اسلام کا ایک جامع رکن ہے۔ اسلام کے دیگر تمام ارکان کی رُوح اس میں موجود ہے۔ اقرارِ توحید کا اس میں نہایت درجہ اہتمام کیا گیا ہے کہ شرک کی آویزش کسی طرح نہ ہونے پائے۔ عبارتِ تلبیہ بار بار اسی کی یاد دہانی کراتی ہے لَاشَرِیکَ لَکَ لَبَّیْکَ[1]۔ حضرت ابراہیمؑ سے جو عہد لیا گیا تھا اس کی پہلی شرط یہی تھی، اَنْ لَّا تُشْرِکْ بِیْ شَیْئًا[2]۔

نماز جو اسلام کا ایک عظیم رکن ہے، مناسکِ حج میں لازم و ملزوم کی حیثیت سے شامل ہے وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰہِیْمَ مُصَلًّی[3]۔ نماز میں ہماری قبلہ گاہ یہی خانہ کعبہ ہے۔ ہم اسی طرف رُخ کرکے خدا کو سجدہ کرتے ہیں اور حج میں بھی اسی کے گرد پروانوں کی طرح طواف کرکے اپنے جذباتِ رُوحانی کا اظہار کرتے ہیں، اگر نماز ہمیں اتفاق و اتحاد اور تنظیم کا سبق دیتی ہے تو حج میں بھی یہ خصوصیت ہمہ گیر طور پر پائی جاتی ہے۔

اسلام میں روزے کی غرض و غایت یہ ہے کہ ہم نفس کُش بن جائیں، تقویٰ ہم میں پیدا ہو اور تمام لذّات چھوڑ کر ہم خدا پرستی کا ثبوت دیں۔ فرمانِ خداوندی لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ[4] اسی کی غمازی کرتا ہے، وَاَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰکِفُوْنَ فِی الْمَسٰجِدِ[5] سے بھی اسی پر روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ حج میں بھی اس کی رعایت رکھی گئی ہے۔ ارشاد ہے "فَمَنْ فَرَضَ فِیْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ[6]۔

---

[1] تیرا کوئی شریک نہیں، ہم تیرے حضور میں حاضر ہیں ۱۲ [2] میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا ۱۲ [3] جس مقام پر ابراہیمؑ کھڑے ہوئے تھے اس کو نماز کی جگہ بنالو ۱۲ [4] تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ ۱۲ [5] اور روزے کو رات تک پورا کرو اور جبتک مسجدوں میں معتکف رہو عورتوں سے مباشرت نہ کرو ۱۲ [6] تو جو کوئی ان (مہینوں) میں حج کی نیت کرلے تو دورانِ حج میں نہ عورتوں سے اختلاط کرے نہ کوئی بُرا کام کرے نہ کسی سے جھگڑے ۱۲

زکوٰۃ کا مقصد یہ ہے کہ بخل اور حرص و طمع جیسے رذائل کا قلع قمع ہوسکے اور قربانی و ایثار کے جوہر فطرتِ انسانی میں نمودار ہوں جیسا کہ فرمان ہے "خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا"۱ اسی طرح اس سے غرباء کی اعانت اور مفلسوں کی امداد بھی مقصود ہے جیسے حضورؐ نے فرمایا "اَلصَّدَقَةُ اَوْسَاخُ الْمُسْلِمِيْنَ تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَاءِهِمْ وَتُرَدُّ اِلٰى فُقَرَاءِهِمْ"۲ بالکل یہی مقصد حج کی قربانی کا رکھا گیا ہے فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيْرَ (پھر اس قربانی میں سے خود بھی کھاؤ اور فقیر درماندہ کو بھی کھلاؤ)

حج میں سعی، رمل، طواف وغیرہ مناسک یونہی بلا مقصد نہیں رکھے گئے، بلکہ ان سے اگر ایک طرف تعلق باللہ اور انابت الی اللہ کا کام لیا گیا ہے تو دوسری طرف ان کے ذریعہ آرام طلب اور عیش پسندوں کے سامنے جہاد کی تکلیف و مشقت کا ایک ادنیٰ سا نقشہ بھی پیش کرنا مقصود ہے۔

اسلام راہبانہ زندگی نہیں سکھاتا۔ دنیوی خصائص و اعمال کو بھی اس میں کافی اہمیت حاصل ہے۔ اس دین کامل میں دینی اور دنیوی ہر دو امور اپنی اپنی جگہ انجام پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ حج میں ان امور کی خاص رعایت رکھی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:- لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْۤ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ۳ اور یہ کہ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (تم پر کوئی گناہ نہیں اگر دورانِ حج میں تم تجارت کے ذریعہ خدا کا فضل تلاش کرو)

مسلمانوں کے دینی و دنیوی امور سلجھانے کا حج سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا۔ یہ ایک بین الملی کانفرنس ہے دنیا کے چپے چپے سے ہر رنگ و نسل کے افراد ایک جگہ اکٹھے ہوتے ہیں۔ دینی اصلاح و تعمیر، نہی عن المنکر، و امر بالمعروف، تہذیبِ اعمال و اخلاق اور علمی تبادلۂ خیال کے علاوہ اس سے باہمی تعاون و لین دین کی بات چیت، قومی ترقی و تعمیر کے مشورے، تجارتی امور پر گفتگو، علمی تحقیقات پر غور و فکر، تہذیب و تمدن سے آشنائی، سیاسی و ملکی مسائل پر سوچ بچار اور باہمی تعلق و ارتباط میں مضبوطی پیدا کرنے کا کام بھی لیا جاسکتا ہے، بلکہ ایک زمانہ تک لیا جاتا رہا ہے۔

یہی وہ قومی مرکز ہے جہاں مسلمانوں کے بین الاقوامی مسائل اور معاملات طے ہوا کرتے تھے، عالمگیر فیصلے اور اعلانات یہیں سے صادر ہوتے تھے۔ عدالتِ عالیہ کا قیام اور مرکزی مجلسِ شوریٰ کا انعقاد اسی موقع پر ہوتا تھا، ہدایت و ارشاد کا چشمہ یہیں سے جاری ہوتا تھا، دینی و دنیوی احکام و فرامین کی ندا یہیں سے سنائی دیتی تھی اصلاح و تبلیغ کے پروگرام بھی یہیں مرتب ہوتے تھے۔ الغرض یہی وہ مقام ہے جو ایک زمانہ تک روحانی اور مادی دونوں اعتبار سے مسلمانانِ عالم کا قبلہ و مرکز رہا۔ ہر عمل و تعمیل کے لئے ان کی نگاہیں اسی طرف اٹھتیں۔ صلاح و مشورہ کے لئے انہوں نے ہمیشہ اسی نادر موقعہ کو منتخب کیا۔ (باقی بر صفحہ ۷)

---

۱ ان کے مال میں سے زکوٰۃ قبول کر لو کہ اس سے تم ان کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہو ۱۲ ۲ زکوٰۃ مسلمانوں کا میل کچیل ہے یہ مالداروں سے لیکر غرباء کو دی جاتی ہے ۱۲ ۳ تاکہ اپنے فائدے کے کاموں کیلئے حاضر ہوں اور مقررہ ایام میں خدا کو یاد کریں

تفسیر قرآن

سُورَۃُ البَقَرَۃ

(۱۸)

(خواجہ محمد عبد الحی۔ فاروقی)

(۶۲) وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِیْهَا وَ اللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿ع﴾ (۶۳) فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا كَذٰلِكَ یُحْیِ اللّٰهُ الْمَوْتٰی وَ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○

"اور جب تم نے ایک شخص کو مار ڈالا، پھر اس کے دوسرے پر قتل کا الزام لگانے لگے، اور جو تم چھپاتے تھے، اللہ کو اس کا باہر نکالنا تھا پھر ہم نے کہا اس مُردے کو اس گائے کا ایک ٹکڑا مارو۔ اِسی طرح زندہ کرے گا اللہ مُردوں کو، اور تم کو اپنے نمونے دکھاتا ہے۔ شاید تم عقل کرو۔"

جب ان لوگوں نے گائے ذبح کر لی تو اتفاق سے وہاں ایک قتل ہوگیا، اور باوجود سخت کوشش کے قاتل کا پتہ نہ لگا۔ اللہ تعالٰے نے موسیٰؑ کو حکم دیا کہ گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کی لاش پر مارو۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا، مُردہ زندہ ہوگیا اور اُس نے قاتل کا پتہ بتا دیا، اب اسؔ اللہ تعالٰے انھیں متنبہ کرتا ہے کہ جس حکم کی تمھیں مصلحت معلوم نہ تھی وہ کس طرح تمھارے لئے زندگی بخش ثابت ہوا؟ آئندہ تمھیں چاہیئے کہ نبیؑ کا ہر حکم ماننے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ یہ یقین کرلو کہ نبیؑ کے ہر حکم میں ضرور کوئی نہ کوئی مصلحت وحکمت ہو گی۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ تمھیں بھی اِس کا علم ہو جائے۔ دیکھو گائے ذبح کرنا تم بے سود خیال کرتے تھے مگر موسیٰ علیہ السلام کو خبر تھی کہ اس پر عمل کرنے سے تمھیں کس قدر فائدے حاصل ہوں گے، پس پھر کبھی یہ حرکت نہ کرنا۔

اللہ تعالٰے انھیں گائے ذبح کرنے سے یہ بتانا چاہتا تھا کہ:۔

(الف) نبیؑ کی اطاعت قوم کے لئے ضروری ہے کہ اس سے قوم زندہ ہوتی ہے۔

(ب) نبیؑ کے ہر حکم میں حکمتوں اور دانائیوں کے خزانے مخفی ہوتے ہیں۔

(ج) حیاتِ قومی کے لئے قربانی الزم اللوازم ہے۔

بعض مفسرین نے قتل کے واقعہ کو پہلے فرض کیا ہے اور گائے کے ذبح کرنے کو اس کے بعد۔ حالانکہ قرآنِ حکیم کی آیاتِ اس کی تائید نہیں کرتیں، بلکہ ان سے وہی اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے جس کو ہم نے اختیار کیا ہے کہ گائے ذبح کرنے کا حکم پہلے ہوا ہے بعد ازاں اتفاقی طور پر دوسرا واقعہ پیش آگیا۔[۱]

---

[۱] آیاتِ ماسبق میں علمائے یہود کی تین اصولی خرابیاں ذکر کی ہیں:

(الف) قانونِ الٰہی سے نفرت (ب) حیلہ سازی (ج) تعمق اور باریک بینی۔

اگر صادق و مصدوق رسولِ اکرم صلعم کا یہ قول صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے کہ: لیاتین علی امتی ما اتی علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل۔ (جو کچھ بنی اسرائیل کے ساتھ ہوا وہی میری امت کے ساتھ ہوگا)۔

تو یقین کیجئے کہ علمائے یہود کی یہ خرابیاں آج امتِ مسلمہ کے علمائے سوء میں موجود ہیں۔ ہم پہلے حیلہ سازی کو لیتے ہیں، پھر باریک بینی پر بحث کریں گے، مگر صرف اشارات پر اکتفا کیا جائے گا۔

رسول علیہ السلام نے حیلوں کا سدِ باب یہاں تک کیا کہ قاضیوں کو ہدایا قبول کرنے سے روک دیا کہ رشوت ستانی کا ایک حیلہ بن سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴)

حیاتِ قومی کیلئے تین قسم کے لوگوں کی ضرورت

(۴۳) ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ○ (پھر اس کے بعد تمہارے دل پتھر کی مانند بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے، حالانکہ بعض وہ پتھر ہوتے ہیں جن سے نہریں بہہ نکلتی ہیں، وہ بھی ہیں جو پھٹتے ہیں اور ان سے پانی نکلتا ہے اور ان میں وہ بھی ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ اور اللہ تمہارے کام سے بے خبر نہیں)۔

(بقیہ حاشیہ سلسلۂ صفحہ ۳) هدايا الولاة غلول۔ ابوداؤد میں ہے "استعملناه على عمل ورزقناه رزقا، فما اخذه بعد ذالك فهو غلول" ہم نے اُسے کام پر لگایا اور تنخواہ معین کر دی۔ اس کے علاوہ وہ جو کچھ لوگوں سے لے گا وہ غلول ہے۔" ایک روایت میں فرمایا اخذ الامير الهدايۃ سحت" امیر کا ہدیہ قبول کرنا مالِ حرام کا لینا ہے۔" اسی طرح مقروض سے ہدیہ اور تحفہ کا لینا ناجائز قرار دیا کہ سود کے لئے حیلہ بن سکتا ہے اذا قرض احدكم قرضا فاهدى اليه او حمله على الدابة، فلا يركبها ولا يقبله الا ان يكون جرى بينه وبينه قبل ذالك اگر تمہارا مقروض تمہیں ہدیہ دے یا سواری کے لئے جانور پیش کرے تو اس پر سوار نہ ہونا اور ہدیہ قبول نہ کرنا۔ ہاں اگر پہلے ہی سے یہ سلسلہ ہو تو کوئی ہرج نہیں۔" اسی بنا پر اجلہ صحابہ نے ہدیہ مقترض کی نسبت فتوےٰ دیا کہ وہ "ربوٰا" میں داخل ہے۔

باوجود کتاب وسنت کی تصریحات کے ارباب دجل وفریب اور اہل جدل ومکابرہ نے وہ وہ حیلہ سازیاں کی ہیں کہ:

"وائے گر در پس امروز بود فردائے"

دوسری صدی کے شروع ہی میں بعض علمائے سُو اور فقہائے دنیا نے حیلہ تراشیاں شروع کر دی تھیں۔ اور تیسری صدی میں "کتاب الحیل" کی باقاعدہ تدوین وترتیب عمل میں آگئی تھی، اس میں انھوں نے اپنے پیش رو یہودیوں کو بھی مات کر دیا۔ خدا کا حکم تھا کہ ہر مالدار زکوٰۃ دے، انھوں نے سال کے آخر میں تمام مال بیوی کے نام ہبہ کر دیا کہ خدا دھوکے میں آکر ہم کو مفلس ونادار سمجھ لے گا، وما يخدعون الا انفسهم وما يشعرون ○

اجیرہ زانیہ کے اجر مثل کا جزئیہ کس سے مخفی ہے، اس نے صاف صاف زانیہ کی اُجرت کو جائز قرار دیا، اور توسیع کاروبار زنا بن گیا۔ اس کے حلال وطیب ہونے کی صورت ملاحظہ ہو:

اِن ليستأجرها لكنس بيته اولطى ثيابه اوطبخ طعامه اولنقل متاع من مكان الى مكان ويشترط بها الزنا ثم يزنى. کسی شخص نے گھر کا کام کاج کرنے کے لئے یا کھانا پکانے کے لئے یا کسی اور فعل مباح کے لئے ایک عورت سے عقد اجارہ کیا کہ اتنی مزدوری پر میرا کام کر دینا اور ساتھ ہی یہ شرط بھی ٹھہرائی کہ تجھ سے زنا بھی کروں گا۔ تو چونکہ یہ مشروع باصلہ وغیر مشروع بوصفہ ہے۔ اس لئے اجارہ فاسد ہوا، لیکن اُجرت حلال ٹھہری۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اگر کسی فقیہ حیل نے ذرا چشم دابرو دیکھ کر کسی اچھی سی ماما کو کام کاج کے لئے مزدوری پر رکھ لیا اور ساتھ ہی یہ شرط بھی ٹھہرائی کہ گاہ گاہ کچھ اور مشغلہ بھی جاری رہے گا۔ تو ایسی اجرت اس ماما کے لئے جائز اور حلال طیب ہے۔ تعالى الله عما يقولون علوا كبيرا!

"مسئلہ نفاذ قضاء قاضی ظاہرا و باطنا" بھی اسی قبیل سے ہے۔ عدالت میں قاضی کے روبرو بات بنا لیجئے، پھر جب عدالت نے فیصلہ دیدیا تو وہ حلال طیب ہے۔

(باقی حاشیہ بر صفحہ ۵)

اس قسم کے واقعات تمھارے سامنے ہوتے رہے، اگر دیدۂ عبرت واہوتا تو ہدایت وسعادتِ انسانی کے صدہا مراتب تھے جن کا ان سے پتہ لگ سکتا تھا۔ مگر تمھارے دلوں پر ان کا کچھ بھی اثر نہ ہوا، اور سختی میں پتھروں سے بھی آگے نکل گئے، حالانکہ پتھروں کی مختلف قسمیں تمھارے سامنے ہیں؛ اور ان کے حالات تم سے جدا گانہ۔

اس آیت میں دراصل اللہ تعالےٰ نے پتھروں کی مثال دیکر ایک حقیقتِ کبریٰ کی طرف ہماری رہنمائی کی ہے، اور وہ یہ ہے کہ قوموں کے نشو وارتقار کے لئے تین قسم کے اربابِ علم وفضل کی ضرورت ہے:

(الف) وہ اہلِ علم ومعرفت جن کے قلوب میں فیوض وبرکاتِ الٰہیہ کے دریا موجزن ہوں۔ جو اپنے حکیمانہ مواعظ اور کتاب وسنت کے درس وافتار سے لاکھوں کروڑوں انسانوں کو مستفید کریں، چاروں طرف اُن کے علم وفضل کی نہریں جاری ہوں، اور ہر جانب کے تشنہ لب وہاں آکر اپنی پیاس کو دور کریں، ہزاروں دلوں کی زندگی کا باعث ہوں اور ان سابقین اوّلین کے فیضِ صحبت سے کوئی بھی محروم نہ رہے۔

(ب) ایسے صاحبانِ دانش وحکمت جو اپنے گرد وپیش کے لوگوں کی رہنمائی کر سکیں، اُن کی آس پاس کی آبادی اُن سے مستفید ہو، اور اپنے اردگرد رہنے والوں کی اصلاح کرنے کے قابل ہوں۔

(ج) وہ اربابِ ورع وتقوےٰ جن کے قلوب اپنے خالق کے ساتھ وابستہ ہوں اور اللہ کا خوف اُن کے رگ وپے میں جاری وساری ہو، جب انھیں کوئی صحیح بات بتا دی جائے، اُن کی گردنیں فوراً اس کے آگے جھک جائیں، وہ یکسر اطاعت وانقیاد ہوں، اور اس کے سوا اور کچھ جانتے ہی نہ ہوں۔

جب تک کسی قوم میں مذکورۃ الصدر تین قسم کے لوگ موجود رہیں گے قوم زندہ رہے گی اور ان کا فقدان اس کی تباہی وبربادی کا باعث ہوگا بنی اسرائیل سے یہی کہا جاتا ہے کہ گزشتہ تین اصولی غلطیوں کے ارتکاب کے بعد تمھارے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے اور تمھاری

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴) اگرچہ صدہا حیلوں اور مکاریوں کے بعد یہ فیصلہ صادر ہوا ہو، گویا شریعت کے تمام اوامر ونواہی کا دار ومدار اور مواخذۂ آخرت کی بنا صرف دنیا کے احکام ظواہر ہیں۔ روح وحقیقت، اعمال اور محاسن وفضائلِ اخلاق سے کوئی تعلق نہیں۔

"درازدستیِ ایں کوتہ آستیناں بیں"

"تعمق اور باریک بینی" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ھلك المتعمقون (باریک بینی کرنے والے ہلاک ہوں گے) مگر مسلمانوں نے اس کی پرواہ نہ کی۔ اور اب تو اُن کے مذہب کی ہر شاخ میں اِس طرح تعمق جاری وساری ہو گیا کہ حق کو باطل سے الگ کرنا قریب قریب ناممکن ہو گیا ہے، اس لئے کہ اس نے مذہب کی شکل اختیار کر لی ہے۔

پانی کتنا پاک ہوتا ہے، ہر شخص اِس حقیقت سے واقف ہے اس لئے کہ پیدا ہوتے ہی اُسے پاک وناپاک پانی میں تمیز کرنی پڑتی ہے، اصل شریعت نے ہر انسان کی طبیعت اور سلامتِ ذوق پر چھوڑ دیا تھا، مگر اربابِ فقاہت نے تو اس میں اِتنی پابندیاں عائد کر دیں کہ مشکل پڑ گئی، اس میں فقہاءِ خراسان وبخارا کی تفریعات دیکھنے کے قابل ہیں، ان کے نزدیک اس کنوئیں کا پانی ناپاک ہے، جس میں سے چرسا اور رہٹ کے ذریعہ پانی نکالا جاتا ہو۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اس میں گوبر وغیرہ گر جاتا ہو۔ یہی حال مسئلہ خلق قرآن" در "امکانِ کذبِ باری" کا ہے +

طبیعتیں اس درجہ کُند ہو گئیں کہ اب وہ کسی صحیح تعلیم کو قبول کرنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتیں، اِس لئے تم پتھر سے بھی گئے گزرے ہو۔ پھر خلافت و حکومت تمھیں کیسے دی جاسکتی ہے۔

دست و بازو نہیں بن سکتے

گزشتہ آیات میں اس مضمون کو صاف کر دیا ہے کہ بنی اسرائیل مسلمانوں پر حکومت کرنے کے قابل نہیں ہیں، ان پر ہمیشہ کے لئے ذلت و مسکنت لازم کر دی ہے، اور اب انھیں حکومت نصیب نہ ہوگی، اب یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ اس درجہ اپنے قوائے عملیہ کو برباد کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر، اور ان کے دست بازو بن کر بھی تبلیغ و اشاعتِ مذہب کی قابلیت ان میں باقی نہیں، اور اُن کے ساتھ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی مساوی نہیں۔

(۷۵) اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○

"اب کیا تم مسلمانوں توقع رکھتے ہو کہ وہ تمھاری بات مان لیں گے اور ایک گروہ تھا ان میں جو اللہ کا کلام سنتا تھا، پھر سمجھنے کے بعد اس کو بدل ڈالتا تھا، اور وہ جانتے تھے"

علماء کی شان یہ ہے کہ جس قدر صحیح تعلیم ان کے پاس ہو، بغیر ردّ و بدل اور حذف و اضافہ لوگوں کے سامنے پیش کر دیں، یہودیوں کے عالم اس بات سے واقف تھے کہ سرزمینِ حجاز میں نبیِ آخرالزماں کی بعثت ہوگی۔ انھیں اوس و خزرج کے مقابلہ میں جب کبھی شکست ہوتی تو ہمیشہ انھیں ڈراتے کہ وہ وقت بہت قریب ہے جب ہم اس نبی کے ساتھ مل کر تمھیں فنا کر دیں گے۔ چنانچہ یہی تادیبی کلمات اوس و خزرج کے اسلام کا باعث بنے۔ لیکن جب حضور آپ کی بعثت ہوئی تو چونکہ آپ بنی اسرائیل میں نہیں پیدا ہوئے تھے انکار کر بیٹھے اور جس قدر پیشین گوئیاں حضورِ اقدس کے ظہور کے متعلق ان کی کتابوں میں تھیں، ان کو لفظاً و معناً بدلنا شروع کر دیا۔

قرآنِ حکیم نے تحریف کا لفظ استعمال کیا ہے، اور یہ لفظ و معنی دونوں پر مشتمل ہے۔ کتابِ مقدس میں تحریفِ لفظی اور معنوی کا ہونا اس درجہ مسلّم اور متفق علیہ امر ہے کہ اب اس پر کسی بحث کی ضرورت ہی نہیں رہتی، خود عیسائی محققین تسلیم کرتے ہیں کہ لفظی و معنوی دونوں تحریفیں عمل میں آئی ہیں، دوسری جگہ اہلِ کتاب کی اِس خرابی کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

یحرفون الکلم عن مواضعہٖ ونسوا حظا مما ذکروا به ۚ ولا تزال تطّلع علٰی خائنة منهم (۵:۱۲)

"لفظوں کو ان کی جگہ سے پھیرتے ہیں، اور ان کو جو نصیحت کی گئی تھی، اس میں سے ایک بڑا حصّہ بُھلا بیٹھے۔ اور ان میں سے چند لوگوں کے سوا سب کی چوری کی اِطلاع تم کو ہوتی ہی رہتی ہے"

یعنی اللہ کے غضب اور کی لعنت کا اثر یہ ہوا کہ ایک حصّہ کتاب کا بالکل چھوڑ بیٹھے، اور جس پر عمل کرنے کا ارادہ ہوا اس میں اپنی مطلب پرستی کے لئے بیجا تاویلات شروع کر دیں، اور اِس طرح تمام کتاب بے کار ہو گئی۔[۱]

---

[۱] قرآنِ حکیم تحریفِ لفظی سے تو محفوظ رہا، مگر معنوی تحریف سے نہ بچ سکا۔ قرآن پڑھنے کا قاعدہ یہ ہے کہ ایک شخص خالی الذہن ہو کر اس میں درس و فکر کرے، شارح علیہ السلام کے اُسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھے۔ پھر دیکھے کہ قرآن کن عقائد و یقینیات کی تعلیم دیتا ہے اور کن اخلاق و اعمال پر زیادہ زور دیتا ہے۔ مگر اب حالت یہ ہے کہ عقائد پہلے سے معیّن کر لئے جاتے ہیں پھر ان کی تائید قرآن سے تلاش کی جاتی ہے اور اپنی رکیک تاویلات کا اس کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔

[۲] اسی کو تحریفِ معنوی کہتے ہیں، جس کا ذکر یحرفون الکلم عن مواضعہٖ میں ہے۔

پھر ایسے خائن اور بد دین مسلمانوں کے ساتھ مل کر کیا کریں گے یہاں بھی ان ناپاک حرکتوں سے باز نہ آئیں گے، بلکہ مسلمانوں کو ان کا خوگر بنانے کی کوشش کریں گے

ولن ترضیٰ عنک الیھود ولا النصٰری حتیٰ تتبع ملتھم[1]

(۲: ۱۲۰) حدیث میں آتا ہے لا ایمان لمن لا امانۃ لہ ولا دین لمن لا عھد لہ[2]۔

کتمان حق

(۷۶) وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ لِیُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (۷۷) اَوَلَا یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ○

"اور جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں، ہم مسلمان ہوئے اور جب ایک دوسرے کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کیوں اُن کو خبر دیتے ہو اس کی جو اللہ نے تم پر کھولا ہے تاکہ اس کی وجہ سے تمہارے رب کے آگے تم کو جھوٹا ثابت کریں۔ کیا تم کو عقل نہیں، کیا یہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ کو معلوم ہے جو چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔"

منافقینِ یہود کی حالت یہ تھی کہ مسلمانوں پر اپنا اخلاص و ایمان ظاہر کرنے کے لئے کبھی کبھی ان پیشین گوئیوں کو بیان کر دیا کرتے تھے جن میں حضور علیہ السلام کا ذکر ہوتا۔ مگر جس وقت انھیں علماء و احبار کی خدمت میں حاضر ہونا پڑتا، تو اُن کو تنبیہ کی جاتی کہ ان امور کی اطلاع مسلمانوں کو کس لئے دیتے ہو، یہی چیزیں قیامت کے دن ہمارے لئے الزام کا باعث بن جائیں گی۔ اور ہم خدا کے روبرو ملزم قرار دیے جائیں گے، اگر ان کے چھپانے سے ہوتا کیاہے، اللہ تعالےٰ تو سب کچھ جانتا ہے، وہ وحی و الہام کے ذریعہ آپ کو ان پیشین گوئیوں کی اطلاع دیدے گا۔ چنانچہ ابھی آپ مکہ ہی میں تھے کہ ناموسِ الٰہی نے آپ کو مثیلِ موسیٰ قرار دیا:

انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا ○ (۷۳: ۱۵)

باقی صفحہ ۲

موجودہ صورتِ حال

لیکن امتدادِ زمانہ سے اسمیں برابر فرق ہوتا رہا، اور بالآخر وہ وقت آگیا کہ حج کے متعلق اس قسم کے انکشافات ہی باعثِ تعجب و موجبِ حیرت بنکر رہ گئے۔ حج کے مقاصد و مصالح میں یہ باتیں بیان کرنا ایک گونہ جدت پسندی اور سُنت سے گریز قرار پانے لگا۔

ہماری دُعائیں اب خشک ہیں۔ ان کے صرف الفاظ ہماری زبانوں پر چڑھے ہوئے ہیں، نہ دل انکے ساتھ ہو نہ دیگر اعضاء و جوارح انکی تائید کرتے ہیں۔ دعا تو کرتے ہیں فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ لیکن عمل ایسے کہ شکست و نامرادی خود بخود اپنی بھیانک شکل دکھائے۔ دعا ہو نجات و ہدایت کی مگر اعمال وہ جو شیاطین کو بھی شرما دیں۔ تمنا ہو آخرت کی سُرخروئی اور دنیوی خوشحالی کی (رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً) لیکن کام کچھ نہیں۔

دراصل ہم نے حج کے مقاصد کو یکسر بھلا دیا ہو نہ اسکے دینی مصالح ہماری نظر میں ہیں نہ دنیوی فوائد پر نگاہ ہے۔ بس سر کے ایک بوجھ کو ہلکا کر آتے ہیں یا رسم پوری کر آتے ہیں۔ نہ اس سے آگے کوئی کام ہو نہ اس سے زیادہ ہو گا۔

یہی وجہ ہو کہ ہم خدا کی اس نعمت کی ناشکری کا مزہ دینی پستی و قومی ذلت اور دنیوی نکبت و افلاس کی صورت میں چکھ رہے ہیں اور چکھتے رہیں گے جبتک کہ دینی احکام کے تحت بدلے ہوئے حالات کا جائزہ لیکر اپنی اس راہِ کج کو بدل دینگے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (اللہ تعالےٰ اسوقت تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جبتک وہ...)

[1] یہود و نصاریٰ اس وقت تک تم سے راضی نہ ہونگے جبتک کہ تم ان کے دین کی باتیں نہ مان لو ۱۲

[2] اس کا کوئی ایمان نہیں جو امانتدار نہیں اور اس کا کوئی دین دھرم نہیں جس کو عہد کا پاس نہیں ۱۲

قصص القرآن

یوسف علیہ السلام

(محمد احمد)

(۱)

یوسفؑ کا خواب

صبح نے اپنا سپید چہرہ دکھایا، اور سورج نے کائنات پر اپنی سنہری کرنیں پھیلانی شروع کر دیں۔ یوسف (علیہ السلام) نے ایک خوش گوار اور شیریں خواب دیکھتے دیکھتے آنکھیں کھولیں، اور اپنا دامن سمیٹتے ہی جلد جلد قدم اُٹھاتے ہوئے باپ کے پاس پہنچے، اُس وقت اُن کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ چہرے پر تبسّم کھیل رہا تھا اور باچھیں کھلی ہوئی تھیں، باپ کو مخاطب پاتے ہی بولے:

ابّا جان! میں نے اس رات کو بڑا اچھا خواب دیکھا ہے جس سے میرا دل باغ باغ ہو رہا ہے اور ساری کدورت دُور ہو گئی ہے:

رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ (میں نے گیارہ ستارے، سورج اور چاند کو دیکھا کہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں)

یوسفؑ کو باپ کی نصیحت

یہ سُنکر یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر مسرّت کی لہر دوڑ گئی اور پیشانی چمک اُٹھی۔ انھوں نے یوسفؑ کو جواب دیا "بیٹا یہ سچا خواب ہے۔ مجھے تمھارے اندر جس فضل و کمال کے موجود ہونے کا اندازہ ہوا ہے اور میں نے تمھارے لئے جن جن بھلائیوں کی امید کی ہے، یہ خواب اسی کو ظاہر کر رہا ہے۔ اللہ تمھیں ایک خاص علم کے ساتھ سرفراز فرمائے گا، اور عنقریب ایک ایسی نعمت کامل طور پر مرحمت فرمائے گا، جیسی پہلے تمھارے باپ دادا ابراہیمؑ و اسحاقؑ کو عطا کی جا چکی ہے، لیکن تم اپنا خواب اپنے بھائیوں سے نہ بیان کرنا۔ میں تمھارے ساتھ اور تمھارے بھائی کے ساتھ جو خصوصیت برتتا ہوں، اور تم دونوں کو پاس و لحاظ میں جو ترجیح دیتا ہوں، اس پر ان لوگوں کو جو رشک ہوتا ہے، اُسے تم جانتے ہی ہو۔ آج کل وہ تم دونوں کی نسبت سرگوشیاں کیا کرتے ہیں اور تمھارا ذکر اُن کی زبانوں پر طعن و تعریض کی شکل میں آتا رہتا ہے۔ اگر تم نے اپنا خواب اُن سے بیان کر دیا تو ان کا حسد و کینہ ضرور بھڑک اُٹھے گا اور عداوت و نفرت کی پوشیدہ چنگاری یقیناً سُلگ اُٹھے گی، وہ یہ خواب سُن کر تمھارے خلاف کوئی نہ کوئی جال پھیلانے اور چال چلنے کی کوشش میں مصروف ہو جائیں گے شیطان کو بھی موقع مل جائے گا، اور وہ فوراً ان کو تقویت دے کر ان کے شرارت کے ارادوں کو تیز سے تیز تر کر دے گا۔

برادرانِ یوسفؑ

اس زمانے میں یوسف علیہ السلام نوخیز، خوبصورت اور حسین لڑکے تھے، ان کے حُسن میں بلا کی کشش پائی جاتی تھی۔ اُن کی ماں راحیل انھیں اور ان کے بنیامین کو بارہ سال کا چھوڑ کر دنیا سے منہ موڑ چکی تھیں[1]۔ اس عمر میں ماں کی شفقت اور پیار کی جتنی سخت حاجت ہوتی

[1] کہا جاتا ہے کہ یوسفؑ کی والدہ اس وقت تک فوت نہیں ہوئی تھیں۔ کیونکہ قرآن کے ظاہری الفاظ سے یہی مفہوم ہوتا ہے وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ۔ (اُنھوں نے اپنے والدین کو تخت پر اُٹھالیا) ایک قول یہ ہے کہ ان کا انتقال ہو چکا تھا یہاں اَبَوَیْهِ سے مقصود یوسفؑ کے والد اور ان کی خالہ ہیں۔ کیونکہ خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے۔

ہے کسی سے چھپی ہوئی بات نہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اس کو محسوس کرتے تھے، اسی لئے وہ ان دونوں بھائیوں سے زیادہ محبت و شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ پھر یوسف علیہ السلام کو یہ خواب نظر آیا، تو اس کی بدولت باپ کی محبت دوچند ہوگئی۔ باپ کی نظر میں یوسفؑ اور بنیامین کا جو مرتبہ تھا وہ یوسفؑ کے بھائیوں سے پوشیدہ نہ رہا۔ اگرچہ یعقوبؑ اس خصوصیت کو چھپائے رکھنے کی کوشش کرتے تھے، اور سب کے ساتھ محبت کا اظہار کرتے تھے، پھر بھی یوسفؑ کے بھائی اس فرق کو محسوس کئے بغیر نہ رہے ؎

دَلَائِلُ الْعِشْقِ لَا تَخْفٰی عَلٰی اَحَدٍ
کَحَامِلِ الْمِسْکِ لَا یَخْلُوْ مِنَ الْعَبَقِ

یعنی

(عشق چھپتا ہی چھپائے سے کہیں ÷ مشک رہ سکتا نہیں مہکے بغیر)

آخر یوسفؑ کے بھائیوں میں حسد کا روگ سرایت کر گیا، عداوت کا بیج سینوں کی زمین میں پروان چڑھتا رہا۔ غیرت و رشک کی آگ بھڑکی، اور سب نے ایک جلسے میں اکٹھا ہو کر صلاح و مشورہ کیا کہ اس معاملے میں کیا کیا جائے۔

برادرانِ یوسف کی مشاورت

اس موقع پر اُن میں سے ایک نے کہا:

"تم لوگ نہیں دیکھتے کہ یوسفؑ اور اُس کا بھائی بنیامین ابّا جان کو ہم سب سے زیادہ محبوب ہیں ان دونوں کو ہمارے مقابلے میں زیادہ تقرب حاصل ہے۔ میری سمجھ میں تو نہیں آتا کہ ہمارے اور ابّا جان کے دل کے درمیان کونسی بات حائل ہے؟ کیا ہم ان دونوں سے زیادہ طاقت ور اور مہذب نہیں ہیں؟ کیا ہم ہی اُن کی مصلحتوں کا کام نہیں کرتے اور ہمیشہ ان کی خدمت میں مصروف نہیں رہتے؟ پھر آخر وہ ہمارے مقابلے میں ان دونوں کے ساتھ اتنی خصوصیت سے کیوں محبت کرتے ہیں؟ کیا ان دونوں میں کوئی ایسا شرف ہے جس کی وجہ سے یہ ہم سے بڑھ کر ہیں؟ ہمیں تو یہ شرف واضح نظر نہیں آتا! کیا اس لئے کہ ان دونوں کی ماں راحیل، ہماری ماؤں سے زیادہ ابّا جان کو عزیز تھی، لیکن اگر مائیں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہوں، تو اس میں بیٹوں کا کیا قصور ہے؟ یہ تو کھلی ہوئی زیادتی، اور گمراہی ہے!"

دوسرے بھائی کی تقریر۔

دوسرے نے کہا:

"ہمارے والد حضرت یعقوبؑ کی محبت تو صرف یوسفؑ اور اُس کے بھائی کے لئے ہے۔ اور ان کے دل سے اس کی شاخیں اس طرح پھوٹی ہیں، جس طرح دونوں ہاتھوں سے انگلیاں نکلی ہیں، اور اگر ہم ان سے اس ترجیح اور برتری کا سلوک روا رکھنے کے اسباب پوچھیں، تو اس سے کوئی فائدہ ہونے کی بہت کم امید ہے، کیونکہ محبت کو لوگوں کے دلوں پر ایک خاص قسم کا غلبہ حاصل ہوتا ہے، یہ وہ چیز ہے جو نہ روکی جا سکتی ہے نہ بخشی جا سکتی ہے، نہ کسی کو دی جا سکتی ہے، نہ کسی سے چھینی جا سکتی ہے۔ یہ ایک ایسا جذبہ ہے جو زور اور حکومت میں عقل سے بڑھ کر ہے، وہ رغبت ہے جو دلوں کو اپنا بندہ بنا لیتی ہے۔ یوسف جب تک ہمارے درمیان رہے گا، وہ اور اس کا بھائی والد صاحب کے دل میں بیٹھے رہیں گے۔ ہمیں تو اس بیماری سے شفا کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، جو ہمارے دلوں کو مردہ کئے دیتی ہے اور غموں کے ہاتھوں بے قرار بنائے رکھتی ہے۔ ہاں صرف ایک صورت ہو سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم یوسف کو نقصان پہنچائیں اُسے قتل کر دیں اور اس کا نام و نشان مٹا دیں، یا اُسے ایک وسیع

صحرا میں لے جائیں، جہاں اُسے کوئی درندہ کھالے، یا صحرا کی ریت دفن کردے۔ اس وقت ہم میں اور ہمارے باپ کے درمیان جو فاصلہ ہے کم ہوجائے گا۔ ہم ان کے دل کے قریب رہیں گے اور ان کی جس محبت سے محروم ہیں اُسے حاصل کرلیں گے۔ اِس کے بعد ہم اللہ سے اپنے گناہ کی مغفرت مانگیں گے اور ہمارا خیال ہے کہ ہم پھر نیک اور خوش اطوار انسان بن کر زندگی گزاریں گے۔

یہودا کا قول

اب یہودا بولے، جو عقل و رائے اور صبر و بردباری میں ان سب سے زیادہ اچھے تھے:

"ہم یعقوبؑ پیغمبر کے بیٹے ہیں، اور ابراہیمؑ خلیل اللہ کے پوتے ہیں عقل اور دین سے حصہ ملا ہے۔ اگر قتل کی کہو تو عقل بھی اُسے جائز قرار نہیں دیتی اور دین بھی۔ یوسف ایک بے گناہ لڑکا ہے جس نے کوئی خطا نہیں کی، نہ کوئی جرم یا بُرائی کی ہے لیکن اگر تم اُسے دور کرنے ہی پر اتفاق کرچکے ہو تو بیت المقدس میں جو کنواں آنے جانے والوں کی راہ میں واقع ہے، اس میں یوسفؑ کو ڈال دو۔ جو قافلے زمین پر چلتے پھرتے رہتے ہیں ان میں کا کوئی اُسے نکال کر جہاں چاہے گا لے جائے گا۔ اِس صورت میں یوسفؑ کی دوری سے ہماری جو امیدیں لگی ہوئی ہیں، پوری ہوجائیں گی اور ہم قتل کے گناہ سے نجات پاجائیں گے۔"

سب نے اِس رائے کو قبول کرلیا اور اسی ارادے کے مطابق منصوبہ بنالیا۔

دوسرے دن صبح کو

دوسرے دن صبح کو اُٹھے تو نفسانی غرض اُن کے اِس ارادے کو خوب بنا سنوار کر پختہ کرچکی تھی۔ شیطان نے انھیں اکسا اکسا کر مکر و کید پر آمادہ کردیا تھا۔ وہ باپ کے پاس پہنچے اور کہا:

"ابا جان! آپ یوسفؑ کے معاملے میں ہم پر کیوں اعتبار نہیں کرتے، آخر وہ ہمارا بھائی ہے اور جو خون ہم میں ہے وہی اس میں بھی ہے، ہم سب آپ کے بیٹے ہیں اور آپ کے سایۂ عاطفت میں ہیں، آپ کی محبت ہم سب کو ایک ہی شیرازے میں باندھے ہوئے ہے۔ کل آپ یوسف کو ہمارے ساتھ کیوں نہ کردیں، ہم اُسے کھلے میدان کی سیر کرائیں گے، جہاں آسمان صاف اور سورج روشن نظر آتا ہے نرم و سرسبز زمین اور سایہ دار گھنے درخت ہیں۔ ہم بکریاں چراتے رہیں گے اور زمین کی حفاظت کریں گے، وہ کھیلتا کودتا رہے گا۔ پھر جب واپس ہوگا تو اس کی صحت اچھی اور طبیعت چاق رہے گی اگر آپ اُسے ہمارے ساتھ بھیج دیں تو ہم اُسے اپنی نگاہوں میں رکھیں گے اور اپنے دل و جان اُس پر نچھاور کریں گے۔"

حضرت یعقوبؑ کا اندیشہ اور جواب

حضرت یعقوب علیہ السلام اِس بات کے انجام کی طرف سے تشویش میں پڑ گئے اور ڈرے کہ کوئی ناگوار واقعہ پیش نہ آجائے۔ انھوں نے بیٹوں کو جواب دیا:

"یوسفؑ میری نگاہ اور دل سے دور ہوں تو مجھے صدمہ ہوتا ہے، وہ میرے پاس نہ ہوں گے تو مجھے سخت رنج ہوگا۔ اِس کے علاوہ مجھے اندیشہ ہے کہ تم اُسے لے جاؤ اور تمھیں غافل پاکر بھیڑیا اس پر حملہ کر بیٹھے یا تاک لگا کر مار ڈالے اور کھا جائے۔ اُس وقت تم مجھے بڑے دُکھ میں مبتلا کردو گے۔ میرا دل دردمند اور آنکھیں آبدیدہ رہیں گی، اور ایک طویل مدت تک غم ستاتا رہے گا۔"

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جواب دیا:

"ابا جان! ہم میں سے کوئی بھی ایسا نحیف و کمزور نہیں ہے۔ کیا ہمارے اتنے قوی اور مضبوط ہونے کے باوجود، بھیڑیا یوسفؑ

کو کھا جائے گا۔ ایسا ہو تو پھر تو ہم بڑے خسارے میں ہیں"

حضرت یعقوب ؑ نے کہا:

"چونکہ تم اُسے دلوں اور نگاہوں میں رکھنے کا وعدہ کرتے ہو اس لئے تم ذمہ دار ہو، تم جانو اور تمھارا کام۔ اللہ تمھیں احاطہ کئے ہوئے ہے، اِسے نہ بھولنا"

مقررہ دن صبح کو یوسف علیہ السلام ان بھائیوں کے ساتھ ہولئے ان لوگوں نے اپنے منصوبے کے مطابق اسی کنوئیں کا راستہ لیا، وہاں پہنچتے ہی ان کی نیتوں کا حال کُھل گیا جو کینہ سینوں میں چھپائے ہوئے تھے، ظاہر ہو گیا۔ اُن کے دل سخت اور کلیجے پتھر کے ہو گئے۔ انھوں نے یوسف ؑ کی قمیص اتار لی، اور انھیں اس کنوئیں میں ڈال دیا کہ تقدیر جو چاہے اُن کے ساتھ کرے۔ اس وقت یوسف ؑ کے گرم گرم آنسوؤں اور دردمند دہائیوں اور محبت کے واسطوں نے ان کے پتھر دل کو ذرا نرم نہ کیا اور جو کچھ جی میں ٹھانی تھی کر کے رہے۔

یہ لوگ اپنے دل میں سمجھے کہ اس طرح اپنے غم و غصہ کو تشفی دے لیں گے اور ان کے کینوں کی بھڑکتی ہوئی آگ بجھ جائے گی۔ پھر اس کے بعد اُن کے باپ کے دل میں صرف انھیں بھائیوں کی محبت رہ جائے گی۔ اس میں حائل ہونے والا کوئی نہ رہے گا۔ ان کا خیال تھا کہ زمانہ گزرنے پر باپ کا غم بھی دُور ہو جائے گا اور آخر انھیں صبر آجائے گا۔ مگر یہ سب ان کا قیاس ہی قیاس تھا، تقدیر اُن پر ہنس رہی تھی۔ وہ تو اپنی سی تدبیر کر گزرے مگر اللہ کا حکم ہر حال میں غالب ہے، اُس کے آگے ان کی کیا چل سکتی تھی؟

رات کے وقت یہ سب باپ کے پاس پہنچے تو آنکھوں سے بناوٹی آنسو جاری تھے، اور زبان سے ایک گھڑا ہوا جھوٹا قصہ دُہرا رہے تھے، جس کی تصدیق کی نیت سے فرضی خون بھی لیتے آئے تھے تاکہ اُن کے دعوے کی سچائی کا ثبوت ہو جائے۔ انھوں نے کہا:

"ابّا جان! آپ کو جس بات کا ڈر تھا وُہی ہوا۔ ہم نے یوسف ؑ کو اپنے مال کے پاس چھوڑ دیا۔ اور ہم ایک دوسرے سے دوڑ میں بازی لیجانے میں مصروف ہو گئے۔ ہمیں اس کا گمان بھی نہ تھا کہ بھیڑیا یوسف ؑ کی تاک میں رہے گا۔ اُس نے اُنھیں اکیلا پایا تو حملہ کر دیا اور انھیں کھا گیا۔ اور ہمیں اِس غم میں چھوڑ گیا، جو ہمارے دلوں کو شق کئے دیتا ہے، ہماری آنکھیں اِس صدمہ میں ہر وقت آنسو بہاتی رہتی ہیں، یہ اُن کی قمیص ہے جو اُن کے خون سے رنگی ہوئی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آپ ہماری بات پر یقین کرنے والے نہیں معلوم ہوتے، خواہ ہم کتنے ہی سچے ہوں"

یعقوب علیہ السلام اُن کے مکر کو سمجھ گئے، ان کی یہ چال ان پر اچھی طرح روشن ہو گئی، وہ جانتے تھے کہ اس لڑکے کی نسبت اللہ کو جو خاص بہتری منظور ہے یہ ضرور اُسے پہنچ کر رہے گی۔ تاہم انھوں نے کہا:

"تمھارے دلوں نے یہ ایک بات بنالی ہے اور حسد نے تمھیں اِس حرکت پر آمادہ کر دیا ہے۔ لیکن میں مقدور بھر صبر کروں گا یہاں تک کہ تمھاری یہ بات کُھل جائے اور اِس مکر کا انجام واضح ہو جائے وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ (اور جو باتیں تم بناتے ہو، اُن میں اللہ ہی مدد کرے گا)

حضرت یوسف ؑ کنوئیں میں

یوسف علیہ السلام اب اس کنوئیں کے اندر ہیں۔ کنوئیں کی تاریکی اور اُس کا سکون انھیں اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے اس طرح ایک

شریف جوان مرد کی آزمائش ہو رہی ہے۔ اور اللہ اپنے مخلص بندوں کو طرح طرح کی مصیبتوں اور صدموں سے آزمایا ہی کرتا ہے تاکہ آگے چل کر اُن کے سر پر جن بڑے بڑے اہم معاملات کا بوجھ پڑنے والا ہے ان میں اس کے برداشت کرنے کی زیادہ قوت پیدا ہو جائے۔

یوسف علیہ السلام جس بلا میں ڈالے گئے تھے اس سے زیادہ دُکھ دینے والی بے قرار کرنے والی اور اذیت میں مبتلا کرنے والی آزمائش کوئی نہ ہوگی، اگر اس میں کوئی ایسا شخص مبتلا کیا جاتا، جو زندگی کے نشیب و فراز سے واقف اور زمانہ کے سرد و گرم سے آشنا ہوتا، تو شاید اُسے اتنا دُکھ نہ ہوتا کیونکہ وہ اپنے معاملات میں کچھ سوجھ بوجھ سے کام نے لے سکتا اور تھوڑے بہت بچاؤ کی تدبیر کرتا۔ مگر یوسف علیہ السلام کا حال بالکل اس کے برعکس تھا وہ ہنوز نادان تھے اور دنیا کی اُونچ نیچ سے بالکل نابلد تھے

پھر اگر یوسف علیہ السلام نے کوئی خطا کی ہوتی یا کسی جرم کے مرتکب ہوئے ہوتے، تب بھی وہ یہ سمجھ کر زیادہ تکلیف محسوس نہ کرتے، کہ جو کچھ کیا تھا اس کی سزا ایسی ہونی چاہئے تھی، مگر وہ ہر عیب سے بری اور ہر تہمت سے پاک تھے، اُن پر کسی شک و اشتباہ کی گنجائش ہی نہ تھی، ان کی نرم مزاجی اور حسنِ سلوک سے سب لوگ خوب واقف تھے۔

اسی طرح اگر بھائیوں کے علاوہ کسی اور نے یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں پھینکا ہوتا اور کسی قریبی عزیز کے ہاتھوں یہ ظلم نہ ہوتا تو شاید اُن کا دل اُسے نسبتاً زیادہ آسانی سے برداشت کر لیتا۔ اس صورت میں اُن کا غم و افسوس اتنا شدید نہ ہوتا، جتنا اب ہوا۔ اب تو یہ صدمہ انھیں اس لئے بھی بہت زیادہ کھل گیا تھا کہ اُن پر یہ آفت خود انھیں کے بھائیوں نے نازل کی تھی ؎

لو بغیر الماء حلقی شرق
کنت کالغصان بالماء اعتصاری

(اگر پانی کے علاوہ کسی اور چیز سے میرا گلا گھٹا ہوتا، تو میں گلا گھونٹے ہوئے شخص کی طرح پانی سے اس تکلیف کو تھوڑا تھوڑا کر کے دُور کرتا) یعنی پانی ہی سے تو میرا گلا گھٹتا ہے، اب اسی سے اس تکلیف کو کیا دُور کروں گا ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من آنچہ کرد آں آشنا کرد

کروں کس منہ سے بیگانوں کا شکوہ
ستم ڈھانے لگے جب خود یگانے

اب حضرت یوسفؑ کنوئیں کے اطراف میں نگاہیں دوڑاتے ہیں اور سامنے کی طرف مُڑ کر دیکھتے ہیں تو سوائے ٹھہرے ہوئے پانی کے جس میں اُن کے پریشان اور مغموم چہرہ کا عکس پڑ رہا تھا، کچھ نظر نہیں آتا، اوپر کی طرف سر اُٹھا کر دیکھتے ہیں تو گھنی تاریکی کے سوا کچھ نہیں دکھائی دیتا، نہ اس حالت میں کسی چیز کی تمیز ہوتی ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ ان کے دل میں اس وقت کیسے کیسے وسوسے آ رہے ہوں گے کیسے کچھ اندیشے نہ ستا رہے ہوں گے۔ باپ کی یاد آئی ہوگی، تو اُن کا وہ مُسکراتا ہوا چہرہ بھی نظروں میں پھر گیا ہوگا، جسے وہ روز صبح کو دیکھا کرتے تھے، وہ باتیں بھی یاد آتی ہوں گی جو پدرِ بزرگوار روز شام کو اُن سے کیا کرتے تھے، ان کی محبت اور لگاؤ یاد آیا ہوگا، ساتھ ہی اس کا خیال بھی آیا ہوگا کہ میرے بعد اب ان کا کیا حال ہوگا، وہ میری جُدائی سے کتنے رنجیدہ ہوں گے۔

اِس سے بھی بڑھ کر یہ ہُوا ہوگا کہ تاریکی اور اس مقام کی تنگی سے طبیعت گھبرائی ہوگی اور اُن کی نگاہیں چاند سورج کو دیکھنے کے لئے ترسنے لگی ہوں گی۔ ستاروں کے جھرمٹ، آسمان کا بھُوراپن، صبح کی

رونق، بہار کی تازگی اور سایوں کے ہجوم، ان تمام مناظر کی یاد بے چین کر رہی ہوگی۔ اِس کے بعد خیال آیا ہوگا کہ اگر بھوک لگی تو یہ ضرورت کہاں سے پوری ہوگی، جسم کی حفاظت کرنے والا اور عمر بڑھانے والا کھانا کیسے ملے گا۔ غرض ایسے ایسے اندیشے اور صدمے پیدا ہوئے ہوں گے جو اُن کی طاقتِ برداشت سے زیادہ ہوں گے ؎

ان البلاء یطاق غیر مضاعف
فاذا تضاعف صار غیر مطاق

(حد میں اگر بلا ہو تو رہتی ہے تابِ ضبط۔ حد سے بڑھی تو طاقتِ برداشت پھر کہاں؟)

وحیِ الٰہی کا نزول

لیکن اب اللہ کی رحمت کا نزول قریب تھا۔ اللہ ہی نے اس مصیبت میں ڈال کر ان کا امتحان کیا تھا، وہی ان کے درد کا درماں اور زخموں پر مرہم رکھنے والا تھا، اُسی کے فضل و کرم سے ان کی پریشانی اطمینان و تسلی سے بدلنے والی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے خدا کی طرف سے وحی آئی "صبر سے کام لو، مصیبت میں دل تھامے رہو، میں عنقریب تمہیں اِس بلا سے نجات دوں گا، تمہارا غم دُور کر دوں گا، اور تھوڑے دنوں کے بعد تمہارے بھائیوں کے مقابلے میں تمہاری مدد کروں گا۔"

اِس خدائی پیغام کی بدولت اُن کے تمام صدمے زائل ہوگئے دم میں دم آیا اور سکون کے ساتھ خدا کی مدد کا انتظار کرنے لگے۔

وہ لیجئے دُور سے کچھ ملی جلی آوازیں آنے لگیں، جو اچھی طرح سمجھ میں نہیں آرہی ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کان لگائے بیٹھے ہیں اور اس وقت ان کے دل میں یہ خواہش مچل رہی ہے کہ کاش اُن کے جسم کا ہر عضو کان بن جاتا۔

قافلے کی آمد

چند ہی لمحوں کے اندر وہ آواز دھیرے دھیرے قریب آتی محسوس ہوئی اور رفتہ رفتہ سمجھ میں آنے لگا کہ کسی کے قدموں کی چاپ اور کتوں کے بھونکنے کی آواز ہے! ارے یہ تو قافلہ ہے۔ اب کیا تھا، دل کو ڈھارس بندھی، چہرے پر امید کا جلوہ چمکنے لگا اور یقین آگیا کہ رہائی کا وقت آپہنچا ہے۔

قافلے کا پڑاؤ

قافلے والوں نے کنوئیں کے ایک جانب پڑاؤ ڈالا۔ سالارِ قافلہ نے اِس طرح آواز بلند کی کہ یوسفؑ کے کانوں تک بھی پہنچی، اور اس نے اُن کے دل کو اتنا سکون پہنچایا، جتنا پیاسے کو پانی ملنے سے ہوتا ہے، اُس نے کسی سے کہا "اے شخص کنوئیں میں اپنا ڈول ڈال، اور ہمارے لئے پانی نکال تاکہ ہم اپنی پیاس بجھائیں، ضرورتیں پوری کریں اور اپنے چوپایوں کو پانی پلائیں، کیونکہ اب تو ہم بہت تھک چکے ہیں اور مسافت کی دُوری نے ہمیں بہت زیادہ خستہ کر دیا ہے۔"

حضرت یوسف ڈول میں

اس شخص نے اپنا ڈول ڈالا۔ یوسف علیہ السلام نے دیکھا تو اس سے لٹک گئے۔ اب جو اُس نے دیکھا تو ایک لڑکا ڈول کی رسّی سے لٹکا ہوا ہے جو خوبصورتی میں چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا ہے، خوشی سے چلّا اُٹھا "بشارت ہو یہ تو ایک لڑکا ہے"!

غلام بنا کر بیچنے کا فیصلہ

یہ سنتے ہی قافلے والے اکٹھا ہوگئے، اُن پر حیرت چھا گئی پھر سب نے اِس رائے سے اتفاق کیا کہ اس لڑکے کو غلام بنالیں اور مصر میں لے جاکر بیچ دیں۔

اگر ان کے پہلوؤں میں رحم کرنے والے دل ہوتے اور حوصلے

بلند اور شریفانہ ہوتے، تو یوسف کا حال دریافت کرکے انھیں اُن کے گھر والوں کے پاس لوٹا دیتے۔ لیکن یہ بھی عام لوگوں سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھے، انھوں نے ادنیٰ درجے کے لوگوں کی سی روش اختیار کی ؎

اِنَّمَآ اَنْفُسُ الْاَنِیْسِ سِبَاعٌ ٭ یَتَفَارَسْنَ جَھْرَۃً وَّ اغْتِیَالًا

(عوام کی تو یہ حالت ہے سب درندے ہیں ٭ جو چیر پھاڑ سے کرتے نہیں دریغ کبھی)

اِس کے بعد قافلے نے پھر کوچ کیا، یہاں تک کہ مصر پہنچ کر اپنا سفر پورا کیا۔

مصر کے بازار میں

مصر میں غلاموں کا بازار گرم ہے اور وہاں یوسف علیہ السلام جیسا آبائی شریف و آزاد اور باعزّت رسول بیچا جا رہا ہے۔ ان لوگوں نے یوسف علیہ السلام کو اونے پونے چند درہموں کے عوض بیچ ڈالا، وہ ان کے معاملے میں بالکل بے جہر تھے، انھیں یوسف علیہ السلام کا ذرا پاس نہ تھا اور وہ اِس بات سے ڈرتے بھی تھے کہ ان کا بھید نہ کھُل جائے۔ ورنہ اگر وہ یوسف علیہ السلام کے معاوضہ میں زمین بھر سونا بھی لیتے تو اِتنے صاحبِ عظمت اور شریف لڑکے کا بدل نہ ہو سکتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیزِ مصر[1] نے جو وہاں کا بڑا وزیر بھی تھا خریدا۔ اس نے اُن کو حسب و نسب میں شریف پایا اور اپنی بیوی سے کہا "اِس لڑکے کی حالت و آثار، چال ڈھال اور پُرسکون طبیعت دیکھ کر مجھے خیال ہوتا ہے کہ یہ فطرتاً شریف اور بلند اخلاق و عالی خاندان ہے، اس کو عزت کے ساتھ رکھو اور اسکا بہت خیال رکھو۔ اِس سے نوکروں اور غلاموں کی طرح بھُول کر ڈانٹ ڈپٹ اور مار پیٹ کا سلوک نہ کرنا مجھے امید ہے کہ جب یہ پوری طرح جوان اور پختہ ہو جائے گا تو ہمیں فائدہ پہنچائے گا یا ہم اسے لڑکا بنا لیں گے"

اب یوسف علیہ السلام عزیزِ مصر کے یہاں چلے گئے اور محنت اور دیانت داری کے ساتھ گھر کے کام کاج میں مصروف ہو گئے، یہاں ان کے ساتھ شایانِ شان برتاؤ کیا گیا ٭

[1] یہ شخص مصری پولیس کا حاکمِ اعلیٰ تھا اور اس کا نام "فوطیفار" تھا۔ ۱۲

تفسیر ابنِ کثیر اُردو

یہ علامہ ابن کثیر دمشقی کی بلند پایہ و مشہور عالم تفسیر کا ترجمہ ہے۔ یہ تفسیر دنیائے اسلام میں بہترین اور مستند تسلیم کی گئی ہے۔ ہر زمانے کے علماء نے اس کو قبولیت کا شرف بخشا ہے اور اُمّ التفاسیر کا لقب دیا ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سب سے مفید سب سے زیادہ قرآن کریم کو بطریق سلف صالحین سمجھا دینے والی تفسیر "تفسیر ابن کثیر" ہی ہے اور اسکے بعد تمام عربی و اُردو تفاسیر اسی سے ماخوذ ہیں۔ علامہ ابن کثیر سب سے پہلے تو کلام اللہ کی آیت کی تفسیر کلام پاک کی دوسری آیات سے کرتے ہیں پھر احادیث سے پھر سلف صالحین سے تمام احادیث و آثار کے حوالے بھی دیتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ تفسیر دنیا کی تمام تفسیروں سے اعلیٰ ہے۔ قیمت جلد اول پارہ ۱ تا ۶ مجلد ۱۳/۸، جلد دوم پارہ ۷ تا ۱۲ مجلد ۹/۸، جلد سوم پارہ ۱۳ تا ۱۸ مجلد ۹/۸ جلد چہارم پارہ ۱۹ تا ۲۴ مجلد ۱۰/-، پارہ ۲۵ تا ۳۰ مجلد ۱۲/۸ قیمت کامل مجلد ۵۵/- الگ الگ پاروں کا ہدیہ حسب ذیل ہوگا

پارہ نمبر	قیمت	پارہ نمبر	قیمت	پارہ نمبر	قیمت
۱	۳/۸	۱۱	۱/۸	۲۱	۲/-
۲	۲/۸	۱۲	۱/۸	۲۲	۲/-
۳	۲/-	۱۳	۱/۸	۲۳	۲/-
۴	۲/-	۱۴	۱/۸	۲۴	۲/-
۵	۲/-	۱۵	۲/-	۲۵	۲/-
۶	۲/۸	۱۶	۲/-	۲۶	۲/۸
۷	۲/-	۱۷	۱/۸	۲۷	۲/-
۸	۲/-	۱۸	۱/۸	۲۸	۲/-
۹	۲/-	۱۹	۱/۸	۲۹	۲/۸
۱۰	۲/-	۲۰	۱/۸	۳۰	۲/۸

نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب۔ آرام باغ۔ فریر روڈ۔ کراچی

جواہر حدیث

(ادارہ)

حُسنِ سُلوک

اَلسَّمَاحُ رَبَاحٌ وَالْعُسْرُ شُؤْمٌ (۱) معاملات میں نرمی نفع بخش ہوتی ہے اور سختی منحوس و نامبارک ہے۔

(مسند فردوس للدیلمی)

سلام کی اہمیت

اَلسَّلَامُ قَبْلَ الْكَلَامِ وَلَا تَدْعُوا أَحَدًا إِلَى الطَّعَامِ حَتّٰى يُسَلِّمَ (۲) کلام سے قبل سلام کرنا ضروری ہے اور جب تک کوئی سلام نہ کرے اُس وقت تک اس کو کھانے میں شریک ہونے کی دعوت مت دو!

(مسند ابو یعلیٰ)

بدترین لوگ

شِرَارُ أُمَّتِي مَنْ يَلِي الْقَضَاءَ إِنِ اشْتَبَهَ عَلَيْهِ لَمْ يُشَاوِرْ، وَإِنْ أَصَابَ بَطِرَ، وَإِنْ غَضِبَ عَنَفَ، وَكَاتِبُ السُّوْءِ كَالْعَامِلِ بِهٖ۔ (۳) میری اُمت کے بدترین لوگ وہ ہیں، جو نااہل ہونے کے باوجود لوگوں کے فیصلے کریں گے اور جن معاملات میں مُشتبہ اور مشکوک ہوں گے اُن میں کسی سے مشورہ بھی نہیں لیں گے اور اگر اتفاقاً صحیح نتیجہ پر پہنچ جائیں گے تو بجائے خدا کا شکر ادا کرنے کے، تکبر و تعلی میں مبتلا ہو جائیں گے اور اگر کسی پر غصہ ہو جائینگے تو بے گناہ ہونے کے باوجود اُس پر بے حد سختی کرینگے۔ اور غلط فیصلہ لکھنے والا بھی اسی طرح گنہگار ہوگا، جیسے اس نے خود اُس پر عمل کیا۔

(مسند فردوس للدیلمی)

حاضر اور غائب میں فرق

اَلشَّاهِدُ يَرٰى مَا لَا يَرَى الْغَائِبُ۔ (۴) حاضر اور موجود آدمی جو کچھ دیکھ سکتا ہے، وہ غیر موجود اور غیر حاضر آدمی نہیں دیکھ سکتا (اس لئے دیکھی ہوئی بات کے مقابلہ میں سُنی ہوئی بات کوئی حیثیت نہیں رکھتی)۔

(مُسند احمد)

اچھے اور بُرے شعر

اَلشِّعْرُ بِمَنْزِلَةِ الْكَلَامِ فَحَسَنُهٗ كَحَسَنِ الْكَلَامِ وَقَبِيْحُهٗ كَقَبِيْحِ الْكَلَامِ۔ (۵) شعر دیگر اصنافِ کلام کی طرح ہے اس میں سے اچھا شعر اچھے کلام میں داخل ہے اور بُرا شعر بُرے کلام میں۔

(ادب المفرد للبخاری۔ مسند ابو یعلیٰ)

صدقہ اور صلۂ رحمی

صَدَقَةُ ذِي الرَّحِمِ عَلٰى ذِي الرَّحِمِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ (۶) ایک عزیز کا دوسرے عزیز کو صدقہ دینا صدقہ بھی ہے اور صلۂ رحمی بھی، (یعنی اُس کو دوہرا ثواب ملتا ہے)

(طبرانی فی الاوسط)

صالح معاشرہ

صِلَةُ الرَّحِمِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ وَحُسْنُ الْجِوَارِ يَعْمُرْنَ الدِّيَارَ وَيَزِدْنَ فِي الْأَعْمَارِ۔ (۷) صلۂ رحمی اور حُسنِ اخلاق اور پڑوسی سے عمدہ سلوک ایسی چیزیں ہیں، جو عمروں کی زیادتی کا باعث ہوتی ہیں اور شہر آباد و خوش خرم رہتے ہیں۔

(مسند احمد۔ شعب الایمان للبیہقی)

ماہ نامہ "تذکرہ" کے سابقہ شمارے فی پرچہ ۶/ کے ٹکٹ ارسال فرما کر طلب فرما سکتے ہیں۔

(ناظم)

مشاہیرِ صحابہؓ

(۱۸) (ادارہ)

عبداللہ بن زیدؓ

آپ عبداللہ بن زید بن عاصم انصاری مازنی مشہور صحابی ہیں جن سے خصوصاً حدیث صفۃ الوضوء کو امام بخاریؒ نے متعدد ابواب میں روایت کیا ہے۔ آپ کے غزوۂ بدر میں شریک ہونے کے متعلق اختلاف ہے بعد کے غزوات میں شریک تھے۔ جنگِ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے قتل کرنے میں وحشی بن حرب کے ساتھ آپ بھی شریک تھے، آپ کی شہادت غالباً واقعہ حرہ میں یزید کے لشکریوں کے ہاتھوں ۶۳ھ میں ہوئی۔

عبداللہ بن سائبؓ

آپ عبداللہ بن سائب مخزومی قرشی ہیں، قرار صحابہ میں آپ کا شمار ہے۔ مجاہد اور اہلِ مکہ نے قرآن آپ ہی سے حاصل کیا، آپ عبداللہ بن عباسؓ کے قائد تھے یعنی ان کے نابینا ہونے کی حالت میں رہبری کرتے تھے۔ عبداللہ بن زبیرؓ کے فتنۂ قتل سے کچھ پہلے آپ کی وفات ہوئی۔

عبداللہ بن سلامؓ

آپ عبداللہ بن سلام الاسرائیلی قینقاعی کبار علماء صحابہؓ میں جلیل القدر اور بڑے مرتبہ کے صحابی ہیں۔ حضرت یوسفؑ کی اولاد میں سے تھے۔ اسلام لانے سے قبل آپ کا نام حصین تھا۔ رسول اللہؐ نے بدل کر عبداللہ رکھا۔ رسول اللہؐ کے مدینۂ منورہ پہنچنے کے بہت تھوڑے عرصہ کے بعد ایمان لائے۔ آپ اسلام لانے سے قبل بھی یہود کے کبار علماء اور ان کے سرداروں میں سمجھے جاتے تھے، اسلام لانے کے بعد ان سے متعلق قرآن پاک کی متعدد آیتیں نازل ہوئیں، اور رسولِ کریمؐ نے ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی تھی۔ چنانچہ صحابہؓ اُن کو قطعی جنتی سمجھتے تھے۔ آپ کے فضائل میں بہت سی احادیث مروی ہیں۔ حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت میں آپ نے ان سے عرض کیا تھا کہ آپ عراق ہرگز نہ جائیے، بلکہ منبرِ رسول اللہؐ کو لازم پکڑے رہیے کیونکہ اگر آپ نے اِس منبر کو چھوڑا تو پھر کبھی آپ اُس کو نہ دیکھ سکیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ عبداللہؓ نیک آدمی ہیں اور ہم میں سے ہیں (یعنی ہمارے طرفدار ہیں) آپ کی وفات ۴۳ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔

عبداللہ بن عتیکؓ

آپ عبداللہ بن عتیک انصاری خزرجی صحابی ہیں۔ غزوۂ احد اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک تھے۔ غزوۂ بدر میں آپ کی شرکت کے بارے میں اختلاف ہے۔ آپ کو رسول اللہؐ نے ابن ابی الحقیق یہودی کے قتل کے لئے بھیجا تھا۔ چنانچہ اس کو آپ نے قتل کیا۔ آپ کی وفات حضرت ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت میں جنگِ یمامہ میں ۱۲ھ میں ہوئی۔ لیکن بعض مورخین کہتے ہیں کہ آپ جنگِ صفین میں شریک تھے۔

عبداللہ بن عمروؓ

آپ عبداللہ بن عمرو بن حرام انصاری سلمی ہیں۔ حضرت جابرؓ کے والد اور کبار صحابہ میں سے جلیل القدر صحابی ہیں۔ عقبۂ ثانیہ میں شریک تھے۔ ان کو بھی رسول اللہؐ نے ان کے قبیلہ کا نقیب مقرر کیا تھا

غزوۂ بدر و اُحد میں شریک تھے، غزوۂ اُحد میں صحابہؓ میں سے سب سے پہلے شہید آپ ہی ہیں۔ رسول اللہؐ نے ان کے حق میں فرمایا تھا کہ فرشتے اپنے پَروں سے ان کی نعش کو ڈھانپے رہے یہاں تک کہ تم لوگوں نے اُن کو اُٹھایا۔ نبی کریم نے حضرت جابرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اللہ تعالےٰ جب کسی سے بات فرماتا ہے تو پردہ کے پیچھے سے، مگر تمہارے والد سے بالمواجہ باتیں کیں۔ آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالےٰ انصار کو بہترین جزا دے اور خصوصاً عمرو بن حرام کی آل کو۔

عبداللہ بن حذافہؓ

آپ عبداللہ بن حذافہ سہمی جلیل القدر و قدیم الاسلام صحابی ہیں جو ہجرتِ حبشہ و ہجرتِ مدینہ دونوں میں شریک تھے۔ غزوۂ بدر میں شریک نہیں تھے۔ ان کی طبیعت میں مزاح بھی تھا۔ رسول اللہؐ نے اُن کو اپنا نامۂ مبارک دے کر کسریٰ (شاہِ ایران) کے پاس بھیجا تھا جس کو کسریٰ نے چاک کر ڈالا۔ رسول اللہؐ نے ان کو بعض وقت امیرِ لشکر بھی مقرر فرمایا تھا۔ آپ رسول اللہؐ کی وفات کے بعد بھی برابر جہاد میں مصروف رہے۔ قیساریہ کی لڑائی میں آپ مع دوسرے مسلمانوں کے رومیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے۔ ان سے وہاں کے حاکم نے کہا کہ تم نصرانی ہو جاؤ ورنہ طرح طرح کے عذاب دیکر مَروا دوں گا۔ انھوں نے انکار کیا، تب ان کے روبرو اس نے ایک مسلمان قیدی کو بُلایا اور اُن سے بھی نصرانی ہونے کو کہا۔ انھوں نے بھی جب انکار کیا تو پانی کھولا کر دیگ میں اُن کو ڈلوا دیا کہ اس سے اُن کی چربی تک پگھل گئی اور وہ شہید ہوگئے۔ اس کے بعد اس نے ان سے بھی کہا کہ اگر تم نصرانی نہ ہوئے تو تم کو بھی اسی طرح مار ڈالوں گا۔ مگر اس پر بھی انھوں نے انکار کیا تب اس نے کہا اگر تم نصرانی ہو جاؤ تو میں اپنی آدھی حکومت تمہارے حوالے کردوں گا اور اپنی لڑکی کا نکاح بھی تم سے کر دوں گا۔ مگر اس پر بھی انھوں نے انکار ہی کیا۔ تب اس نے کہا اچھا میرے سر کو بوسہ دیدو، تو میں تم کو رہا کردوں۔ انھوں نے کہا کہ بشرطیکہ میرے دوسرے بھائیوں کو بھی رہا کردو۔ حاکم نے اس کو منظور کرلیا۔ اور حضرت عبداللہ نے حاکم کے سر کو بوسہ دے کر مع تمام قیدیوں کے رہائی حاصل کرلی۔ جب مدینہ میں واپس آئے تو امیر المومنین حضرت عمرؓ ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے، اور فرمایا کہ مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ عبداللہؓ کے سر کو بوسہ دیں، اور میں ابتدا کرتا ہوں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ اور دیگر حاضرینِ مجلس نے اُن کے سر کو بوسہ دیا۔ آپ کی وفات مصر میں بزمانۂ خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہوئی۔

عبداللہ بن زمعہؓ

آپ عبداللہ بن زمعہ بن اسود اسدی قرشی ہیں۔ اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ کے بھانجے ہیں۔ آپ کا شمار سردارانِ قریش میں تھا۔ آپ کے والد اور چچا بدر کی لڑائی میں کفار کے لشکر میں تھے اور اُسی لڑائی میں مارے گئے۔ آپ رسول اللہؐ کی دربانی کی خدمت انجام دیتے تھے، اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ کے پہلے شوہر کی صاحبزادی زینب کے ساتھ ان کا نکاح ہوا تھا۔ آپ ۳۵ھ میں حضرت عثمانؓ کے معرکہ میں شہید ہوئے، اور ان کی اکثر اولاد واقعہ حرہ میں لشکر یزید کے ہاتھوں شہید ہوئی۔

عبداللہ بن زیدؓ

آپ عبداللہ بن زید بن ثعلبہ بن عبد ربہ خزرجی انصاری جلیل القدر صحابی ہیں۔ بیعتِ عقبہ اور غزوۂ بدر و اُحد میں شریک تھے، آپ وہ صحابی ہیں جن کو خواب میں اذان دکھائی گئی تھی، اور انھیں سے رسول اللہؐ نے حضرت بلالؓ کو اذان کی تعلیم دلائی۔ ان کی وفات ۳۲ھ میں ہوئی۔ بعض کا قول ہے کہ غزوۂ اُحد میں آپ کی شہادت ہوئی۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی محمد وآلہٖ واصحابہ اجمعین۔

جبریلؑ کے نام شاعر کا چوتھا خط!

شانِ اسلام اور مسلمان

(یکتا، امروہوی)

چوتھا خط آپ کو جبریلِ امیں لکھتا ہوں
اور کچھ خود سریِٔ اہلِ زمیں لکھتا ہوں
غایتِ نامہ و پیغام مسلسل ہے یہی
دل کی اُلجھن کا اگر حل ہو تو بس حل ہے یہی
یعنی پہنچاؤں ہر اک شکوۂ سکانِ زمیں
لکھ کے دربارِ الٰہی میں سرِ عرشِ بریں
درمیاں میں ہے مگر آپ کی اک ذاتِ اہم
کاش شامل رہیں یہ آپ کے الطاف و کرم
حوصلہ بڑھتا رہا گر اسی صورت میرا
ساتھ دیتی رہی گر ہمت و جرأت میرا
بھیجتا یوں ہی رہوں گا میں یہ نامے دائم
سلسلہ آپ سے یہ یوں ہی رہے گا قائم
اِن خطوں کا مرے تا آنکہ نتیجہ نکلے
اور نتیجہ بھی جو نکلے تو کچھ اچھا نکلے

ہاں تو اِس خط میں یہ کرنی تھی مجھے عرضِ اہم
یعنی یہ جتنے بھی ہیں اُمتیِ شاہِ اُمم
نام لیوا تو اسی بانیِ اخلاق کے ہیں
فخرِ کونین کے ہیں نازشِ آفاق کے ہیں
نام کو بھی نہیں ان میں مگر اخلاق کا نام
سب بھلا بیٹھے یہ اخلاقِ مجسم کا پیام
ایک کو دوسرے سے ہے وہ تنفر، توبہ
دیکھئے جس کو وہ ہے محوِ تکبر، توبہ
نامِ اخلاق مٹا، دَورِ بداخلاقی ہے
جس طرف دیکھئے ناچاقی ہی ناچاقی ہے
بھائی سے بھائی نکلنے لگا منہ پھیرے ہوئے
حد ہے کتنی ہے بداخلاقی انھیں گھیرے ہوئے
علم پر کوئی ہے نازاں تو کوئی دولت پر
کوئی قوت پہ ہے مغرور کوئی شہرت پر
ایک تحم علم کو عالم کوئی زک دیتا ہے
ایک نادار کو زردار جھڑک دیتا ہے

پیروِ بانیِ اخلاق، اور اخلاق سے دُور
تمکنت دل میں ہے، نخوت ہے، تکبر ہے، غرور
ہم ہوں شاکی بھلا پھر کس لئے بیگانوں کے
شانِ اسلام مٹی ہاتھوں مسلمانوں کے
کفر کا پھر ہر اک انداز ہے توہین آمیز
نظریں اسلام پہ اغیار کی ہیں مضحکہ خیز
شرم کی بات ہے اور کوئی نہیں شرماتا
کہیے جبریل کہ اب یہ نہیں دیکھا جاتا

کیوں اُنھیں روکا ہے اللہ! قیامت کے لئے
بھیج اب مہدیِ ہادی کو ہدایت کے لئے

نوٹ:۔ آئندہ شمارہ ”تذکرہ“ میں جبریلؑ کے نام شاعر کا پانچواں خط بعنوان ”فرقے“ مطالعہ فرمائیں۔ (ادارہ)

عِلمِ حدیث

(۴)

(مولانا اشفاق الرحمٰن، کاندھلوی)

حکمت، عقل و فہم کی اُس کامل ترین حقیقت کا نام ہے، جس سے صحیح و غلط، صواب و خطا، حق و باطل اور خیر و شر کے درمیان فیصلہ، بذریعہ غور و فکر، دلیل و بُرہان، تجربہ و استقرار، بلکہ منکشفانہ طور سے ہو جاتا ہے اور اسی کے مطابق اُس صاحبِ حکمت کا عمل بھی ہوتا ہے۔

دوسری ربّانی استعدادوں اور فطری بخششوں کی حکمت کا عطیہ بھی سب کو یکساں نہیں ملتا۔ بلکہ حسب استعداد معمولی حکمت سے لیکر اعلیٰ ترین اور کامل ترین حکمت تک عطا ہوتی ہے۔ اس کے مختلف درجے اور مراتب عام انسانوں کو مل سکتے ہیں اور ملتے ہیں، لیکن اُس کا اعلیٰ ترین اور کامل ترین درجہ اور مرتبہ صرف انبیاء علیہم السلام کو ملتا ہے۔

مگر یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح حکمت کا، اُس ربّانی عطیہ آسمانی فہم، دینی عقل اور نورانی قوت پر اطلاق ہوتا ہے، اسی طرح اس قوت حکمت کے آثار و نتائج اور اس کی تعلیمات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

بہرحال یہ حکمت کی قوت انبیاء علیہم السلام کو بدرجۂ اتم حاصل تھی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ اُن کی ہر بات دانائی اور ان کا ہر کام دانشمندی پر مبنی تھا اور یہ قوت اُن کو حاصل تھی تو اس قوت کے آثار و نتائج بھی اقوال و اعمال کی صورت میں ظاہر ہوئے اور ان نبوی حکیمانہ آثار و نتائج کا اقرار و اعتراف اور ان پر عمل بھی نبوت کی تصدیق کے اندر داخل ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال جن کے اصطلاحی نام احادیث و سنن ہیں۔ کتابِ آلہی کی عملی و زبانی تشریحات ہیں۔ کتابِ آلہی وحیِ ربّانی کا نتیجہ ہے اور احادیث و سننِ نبوی، سینۂ نبوی کی ملہمانہ حکمت کا۔ اسی لئے امام شافعی رح کے رسالہ میں ارشاد ہے:

وسنۃ الحکمۃ التی القی فی روعۃ "اور آپ کی سنت وہ حکمت ہے جو آپ کے قلب میں ڈالی گئی" اور اسی مفہوم کو مجاہد اس طرح ادا کرتے ہیں کہ الحکمۃ فہم القرآن "حکمت فہمِ قرآن کا نام ہے" دوسری عبارت میں یوں کہو کہ قرآن کے معانی و مطالب کی تشریح حکمت ہے اور اس تشریح کا نام جو رسولؐ کی دست و زبان سے ادا ہوئی سنت ہے۔ اور اسی معنی کو امام مالکؒ اور ابن زیدؒ اور ابو رزین وغیرہ دوسری صدی کے علماءِ قرآن ان عبارتوں میں ادا کرتے ہیں کہ حکمت معرفتِ دین اور تفقہ فی الدین، اس دینی علم کو کہتے ہیں، جو اللہ تعالےٰ کسی قلب میں پیدا کرکے اُس کو منور کر دیتا ہے۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ اصل حکمتِ نبوی وہ نورِ نبوت اور الہامی معرفت ہے جو اللہ تعالےٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبؐ و سینہ میں ودیعت رکھا تھا اور چوں کہ آپ کے سنن و اقوال آپ کی اسی ودیعت شدہ حکمتِ نبوی کے پیداوار اور آثار و نتائج ہیں، اس لئے ان پر بھی حکمت کا اطلاق جائز ہے۔ اس تفصیل کے بعد ظاہر ہوگا کہ بعض اماموں اور عالموں نے حکمت کی تشریح میں اصل معنی کی طرف توجہ کی ہے۔ اور بعض نے ثانوی معنی کو بیان کیا ہے، اور دونوں حق پر ہیں۔

تیسرا نظریہ یہ ہے کہ، جو احکام قرآن سے زائد احادیث و سنن ہیں وہ "اجتہادِ نبوی" ہیں۔ علمارِ اُصول لکھتے ہیں کہ، جب کوئی نیا واقعہ آنحضرت صلعم کے سامنے پیش آتا اور وحی نازل نہ ہوتی تو آنحضرتؐ اجتہاد فرماتے، یعنی گذشتہ وحی شدہ احکام کے نطابق سے آپ حکم دیدیتے تھے (یہ فقہار کا طریقۂ تعبیر ہے، ورنہ یوں کہنا چاہیئے کہ رسول اپنی اُس حکمتِ ربانی کے فیض سے مدد لے کر جو خدا نے آپ کے سینہ میں ودیعت رکھی ہے، گذشتہ وحی کی کلیات کی روشنی میں اس کا فیصلہ فرماتے تھے)

بہر حال خواہ فقہا کے طریق پر اجتہادِ نبوی کو نصوصِ قرآنی سے مستنبط سمجھئے۔ یا شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے نظریے کے مطابق رسول کے علم سینہ اور وحی شدہ اُصولِ کلّی کی جُزئیات تسلیم کیجئے، ہر حال میں وہ نتیجہ امت کے لئے واجب العمل اور خطاء سے پاک ہے۔ کیونکہ یہ مقدمہ اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ انبیارؑ گناہوں سے معصوم، ضلالت و گمراہی سے پاک اور ہوائے نفسانی سے مبرّا ہوتے ہیں۔ اس لئے امورِ رسالت اور اُمورِ دین میں اُن کی کوئی راہ غلط نہیں ہو سکتی، کہ ان کی غلطی سے پوری امّت کا غلطی پر قائم ہو جانا مسلم ہے، حالانکہ اُن کی بعثت کی غرض ہدایت ہے، ضلالت نہیں۔

شاہ صاحبؒ کے نظریہ کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے ارشادات کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جس کا تعلق پیغمبرانہ فرائض، تبلیغ رسالت، اور مہماتِ اُمورِ دین سے ہے۔ دوسری وہ جن میں رسول کے ارشادات کی حیثیت عام انسانی باتوں کی ہے۔ پہلی قسم وحی اور تعلیم ربّانی سے ہے جو دائمی اور ناقابلِ تغیر ہیں۔

اِن ناقابلِ تغیر امور کی تعلیم و اطلاع کی دو صورتیں ہیں:

"براہ راست وحی الٰہی" جو وقتاً فوقتاً پیغمبرؑ کی تعلیم و اطلاع کے لئے خدا کی طرف سے آیا کرتی تھی۔ اور دوسری "اجتہادِ نبوی" شاہ صاحب نے اِس اجتہاد کی نسبت دو باتیں تحریر فرمائی ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ اجتہادِ نبوی کی صورت درحقیقت مجتہدین کے اجتہاد کی طرح نہیں ہے۔ مجتہدین کا اجتہاد کسی خاص نص سے استنباط کا نام ہے اور پیغمبروں کے اجتہاد کی صورت یہ ہے کہ حق تعالےٰ نے اُن کو اجمالی طور سے شریعت کے کلّی اصول و قواعد کا علم منصب نبوت کے ساتھ ساتھ عطا فرمایا ہے۔ اسی علم کے مطابق آپ وحی کی توضیح، احکام منصوصہ کی تفصیل، کسی کلیہ کے جزئیات، مسائل کی تشریح اپنے الفاظ میں فرمایا کرتے تھے۔

(۲) پیغمبروں کا یہ اجتہاد، دوسرے عام انسانی مجتہدین کے اجتہادات کے برخلاف خطار و غلطی سے یکسر پاک و منزہ ہوتا ہے، کیونکہ ان کی رائے خطار و غلطی پر باقی رکھے جانے سے محفوظ بنائی گئی ہے۔ اِسی لئے ان کا اجتہاد بھی بمنزلہ وحی کے ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ پیغمبری اجتہاد سے مُراد و مقصود قوتِ علمیہ یا الہامیہ یا نبویہ ہے کہ جس کو اللہ تعالےٰ نے خاص انبیارؑ کے سینوں میں ودیعت رکھا ہے، اِس لئے مجتہدانہ اجتہاد اور پیغمبرانہ اجتہاد کے درمیان صرف لفظ کی مشارکت ہے، معنی کی نہیں۔ اور کسی امام اور حاکمِ وقت اور نبی کے اجتہاد میں نسبت حق و باطل کی ہے اور وہی نسبت ہے جو عصارِ موسوی اور جادوگروں کے عصا میں تھی۔

اِنھیں وجوہ سے نبی کریمؐ کا اجتہاد اگر کبھی ایسے نتیجے پر پہنچ گیا جو مصلحتِ الٰہی کے مطابق نہ تھا، تو ہمیشہ اللہ تعالےٰ نے اُس پر متنبہ فرما کر آپ کو اپنی مرضی سے مطلع فرما دیا ہے۔ الغرض بعض امور میں خبر کے کسی خاص پہلو سے تغافل ہونے یا غیب و مستقبل سے عدمِ واقفیت کے سبب نبی کا اجتہادی خطا کرنا ممکن ہے۔ مگر اس خطار پر نبی کا قائم

رکھا جانا ناممکن ہے، ایسی صورت میں نبی کا ہر ایسا اجتہاد جس پر وحیِ الٰہی نے فوراً کوئی تنبیہ نہیں کی، یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ حکم و علمِ الٰہی کے منشار کے مطابق، اور خطار و غلطی سے مبرّا ہے، اور اس کے دوسرے معنی وحیِ خفی یا باطنی وحی کے ہیں۔

خلاصۂ بحث اور حاصلِ کلام یہ ہو کہ نبیِ کریم کے وہ ارشادات جنکا رسالت سے تعلق ہے اور وہ اقوال و افعال اور وہ احادیث جو دین سے متعلق ہیں اور جملہ احکام واجب الاتباع اور ضروری العمل ہیں۔ خواہ یہ نظریہ لیجئے کہ نبی کی پیروی اور اتباع و اطاعت قرآن میں مامور بہ ہے۔ اِس لئے اقوال و افعالِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع عین قرآن کی اتباع ہو۔ ورنہ سینکڑوں آیات کے خلاف اور بیسیوں آیات کی تحریف و انکار ہوگا۔

یا یہ نظریہ لیجئے کہ احادیث اجتہادِ نبی ہیں۔ لیکن پیغمبرانہ اجتہاد ورائے علم کا وہ کوثر ہے جس کی دھاریں دماغ سے نہیں بلکہ دل کے سرچشمہ سے بہتی ہیں، جو انسانی رائے و تجربہ سے نہیں، بلکہ الہامِ الٰہی، القاءِ ربّانی، حکمتِ یزداں، فہمِ رسالت، ملکۂ نبوت سے ماخوذ ہیں جو ضمنی اور ثانوی وحی ہیں۔

جس کی نسبت محرمِ اسرارِ شریعت عمر فاروق رضہ برسرِ منبر فرماتے ہیں۔ یا ایھا الناس ان الرای انما کان من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصیبا لان اللہ کان یریہ و انما ھو منا الظن و التکلف (ابوداؤد)

(اے لوگو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے غلطی سے پاک تھی، کیونکہ اللہ تعالےٰ آپ کو وہ رائے دکھاتا تھا۔ اور ہماری رائے، ہمارا گمان اور از خود کہنا ہے)۔

وہ رائے نبوی جو خدا کے بتانے اور دکھانے سے قائم ہوئی ہو، ظاہر ہے کہ بمنزلہ وحی کے ہو۔ اور اس کا نام بشری اجتہاد اور انسانی رائے نہیں، بلکہ نبوی اجتہاد اور پیغمبرانہ رائے ہو جو عملاً وحیِ الٰہی کے ہم پلّہ وہم مرتبہ اور کلامِ ربانی کے ہم پایہ ہے۔ حضرت عمر رضہ نے اِس خطبہ میں جو کچھ کہا ہے درحقیقت وہ خود کلام پاک سے مستنبط ہے۔

یا یہ نظریہ لیجئے کہ احادیث قرآن کا بیان ہیں "کتاب اللہ" کی حیثیت کلّی قانون کی ہے اور احادیث کی حیثیت کلی قانون کی نہیں، بلکہ اس قانون کی تشریحات، تفصیلات اور جزئیات ہیں جو دراصل اس قانون کے اندر مندرج تھیں۔ مگر چونکہ عام لوگوں کے فہم میں نہیں آتی تھیں یا عام لوگ اس کو نہیں سمجھتے تھے، اِس لئے صحابہ رضہ کے دریافت کرنے پر یا خود حضور صلعم نے اس کی ضرورت محسوس فرما کر، اس کو کھول کر بیان فرما دیا کہ اشتباہ نہ رہ جائے۔

بات یہ ہے کہ دنیا میں ہر نوع اور ہر نوع کے ماتحت ہر صنف میں کچھ نہ کچھ مخصوص صفات ہوتی ہیں۔ یہ مخصوص صفات اس نوع اور صنف کے ہر فرد میں یکساں پائی جاتی ہیں۔ انہی کو ہم لوازم اور خصوصیات کہتے ہیں۔ پھل، پھول، چوپائے، پرندے، انسان تمام انواع میں کچھ نہ کچھ ایسی خصوصیات ہیں، جو دوسروں میں نہیں پائی جاتیں۔ اور انہی خصوصیات کی بنا پر ہر نوع دوسرے سے ممتاز اور ہر صنف دوسرے سے علیحدہ ہو۔ گلاب میں خاص قسم کا رنگ، خاص قسم کی خوشبو، خاص قسم کے پتے ہوتے ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ کوئی گلاب ہو اور اس میں یہ چیزیں نہ ہوں۔ لیکن گلاب کی بھی مختلف صنفیں ہیں اور اُن میں سے ہر ایک میں کچھ ایسی لازمی صفات ہوتی ہیں، جن سے گلاب کی ہر صنف دوسری صنف سے علانیہ الگ نظر آتی ہے۔

اِسی طرح نوعِ انسانی کے کچھ خاص لوازم ہیں۔ دو ہاتھ دو پاؤں سیدھا قد، ناک، کان، قوت ناطقہ، سمجھ بوجھ اور غور و فکر کی اہلیت

ایجاد و اختراع کی قوت، انجام بینی، مآل اندیشی کی صلاحیت وغیرہ اس کے خواص ہیں۔ لیکن اس وصف انسانیت میں اشتراک کے ساتھ گلاب کی اصناف کی طرح نوعِ انسانی کی بھی مختلف اصناف ہیں، جیسے ہندی، چینی، حبشی، رومی، ایشیائی، یورپین، دیکھو ان میں سے ہر ایک صنف میں انسانیت کے اشتراک کے باوجود، قد و قامت، چہرہ مہرہ رنگ و روغن، صورت شکل، اخلاق و عادت وغیرہ بیسیوں چیزوں کا نمایاں امتیاز ہوتا ہے۔ اور یہ تمام اصنافِ انسانی جو مختلف آب و ہوا مختلف زمان و مکان، مختلف نسل اور مختلف ماحول سے تعلق رکھتے ہیں، انسان ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے صریحاً ممتاز ہیں۔

اسی طرح ہر صنفِ انسانی کے اندر مختلف افراد ہیں۔ خلّاقِ فطرت نے ان میں سے ہر ایک کو مختلف قابلیتیں عطا کی ہیں۔ شاعری، زبان دانی، فلسفہ، ریاضی، صناعی، باغبانی، معماری، پہلوانی اور سینکڑوں مختلف قسم کی انسانی استعدادیں اور قابلیتیں ہیں اُن میں سے ہر صنف کی اور ہر صنف میں سے ہر ایک فرد کی قابلیت و استعداد کی خصوصیتیں دوسروں سے الگ ہیں۔ ایک تخیل پسند شاعر، اور ایک حقیقت شناس ریاضی داں میں عظیم الشان فرق ہوتا ہے۔ آداب و اشعار کے خیال، بلند پروازی، عموماً ریاضیات جیسے ٹھوس اور واقعی علوم سے کورے ہوتے ہیں اور واقعیات سے لبریز ریاضیات کے جاننے والے ادب و شاعری سے بیگانہ، پہلوانی کے جوہر اور باغبانی سے الگ ہیں، ایک صناع کی طبیعت ایک فلسفی سے متضاد ہوتی ہے۔

اسی کے ساتھ صنفِ شعراء میں خاص دماغی قابلیت کا اتحاد ہوتا ہے۔ نظم کی قوت، تخیل کی بلندی، محاکات کی قدرت، الفاظ کا زور، معانی کا تعمق یہ تمام شعراء کی مخصوص صفات ہیں۔

ان مثالوں سے یہ ثابت ہے کہ نوعِ انسانی میں اشتراک ہونے کے باوجود اصنافِ انسانی کی ہزاروں قسمیں ہیں اور ان میں سے ہر قسم و صنف کی الگ الگ خصوصیات، صفات اور لوازم ہیں۔

انہی مختلف اصنافِ انسانی میں انبیاء علیہم السلام کی بھی ایک صنف ہے اور نوعِ انسانی کی اس مقدس صنف کے بھی چند خاص اوصاف خصوصیات اور لوازم ہیں جو اُن کو دوسرے اصنافِ انسانی سے علانیہ ممتاز بناتے ہیں۔

نبوت و رسالت کا امتیاز صرف یہی نہیں ہے کہ وہ خدا کا پیغام بندوں کو پہنچا دے۔ جیسا کہ آج کل اسلام کے لئے محسنوں کی تحریرات سے آشکارا و ظاہر ہوتا ہے، بلکہ نبوت و رسالت کے خواص بے شمار ہیں اور کتب فن میں اپنے اپنے مقام پر مکتوب و مسطور ہیں پھر خصوصیت سے جناب نبی کریم چونکہ جملہ انبیاء ؑ میں افضل الرسل اور خاتم المرسلین ہیں۔ حضور ؐ کے خواص تو لا تعد و لا تحصی ہیں ؎

فمبلغ العلم فیه انه بشر ✤ وانه خیر خلق الله کلهم

منجملہ ان بے شمار خواص کے سب سے پہلی چیز "وہبی استعداد" ہے، اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مختلف انسانوں میں مختلف قسم کی فطری استعدادیں ہیں اور ان ہی کی طرف اس کا طبعی میلان ہوتا ہے اور جیسے جیسے وہ آگے بڑھتے جاتے ہیں ان کی استعداد اور میلانِ طبع کا جوہر برگ و بار پیدا کرنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک خاص مقررہ مدت میں جا کر وہ پوری طرح ظاہر ہو جاتا ہے۔ جس طرح ہر درخت سے آم کا پھل پیدا نہیں ہو سکتا، بلکہ اسی سے ہو گا جس کو خدا نے آم کا درخت بنایا ہے۔ پھر آم کے درخت کے آثار، خواص اور پھل اس کا مزہ، اس کا رنگ و بو، غرض جملہ خصوصیات خود درخت میں اسی وقت موجود ہوتے ہیں جب وہ ہنوز تخم ہی کی صورت میں ہوتا ہے۔

وہی تخم پودا بنتا ہے پودا پیڑ بنتا ہے کونپل اور شاخیں پیدا کرتا ہے اور چند سال میں پھل دینے لگتا ہے، لیکن اپنی ترقی کے ہر دور میں وہ اپنی مخفی خصوصیات وہی رکھتا ہے جو ایک دن اُس سے آخر میں ظاہر ہونے والی ہیں اور اس پھل کی صفت ہمیشہ بالقوۃ اس میں موجود تھی۔

اسی تمثیل کے مطابق یہ سمجھنا چاہیئے کہ ہر انسان کوشش سے نبی نہیں ہو سکتا، بلکہ وہی ہو سکتا ہے جس کو خدا نے نبی بنایا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جب سے عرصۂ وجود میں قدم رکھتے ہیں، اسی زمانے سے آنیوالے وقت اور ملنے والے منصب کے آثار اُن سے ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ وہ حسب و نسب اور سیرت و صورت میں ممتاز ہوتے ہیں، شرک و کفر کے ماحول میں ہونے کے باوجود اس کی گندگی سے بچائے جاتے ہیں، اخلاقِ حسنہ سے آراستہ ہوتے ہیں، اُن کی دیانت امانت، سچائی راست گفتاری مسلّم ہوتی ہے۔

نبوت کا دوسرا سب سے اہم خاصّہ اُس کا غیبی علم ہے، یعنی وہ علم جو عام انسانوں کی طرح وجدان، احساس یا عقل و قیاس سے نہیں بلکہ براہِ راست صدائے غیب یا رویائے صادقہ یا فرشتوں کے ذریعہ سے خدائے پاک سے حاصل ہوتا ہے، اسی کے آغاز سے نبوت کی استعداد بالقوۃ کا عملی ظہور شروع ہو جاتا ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ علمِ انسانی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو بلاواسطہ ہوتا ہے۔ دوسرے وہ جو کسی واسطہ سے حاصل ہوتا ہے بے واسطہ علم کی بھی تین قسمیں ہیں۔ "وجدان"، جیسے بھوک، پیاس بیماری، صحت، غم اور خوشی وغیرہ۔ "فطرت" یا جبلت۔ پرندوں کے بچوں کا دانہ چگنا، اڑنا۔ آبی جانوروں کا تیرنا۔ شیر کے بچوں کی درندگی انسان کے بچے کا پیدا ہوتے ہی رونا، سونا، دودھ پینا، یہ فطری علوم بلا تعلیم سب کو حاصل ہیں۔ "بداہتِ اولیہ" انسان کو کچھ ہوش و تمیز آنے کے بعد بلا دلیل بعض ایسی باتیں از خود یا بہ ادنیٰ تامل اس طرح معلوم ہو جاتی ہیں کہ ان میں کسی قسم کے شک و شبہہ کی گنجائش نہیں رہتی، جیسے دو اور دو چار ہوتے ہیں۔ یہ تو بلاواسطہ علم کی تین قسمیں ہوئیں اسکے بعد علم انسانی کی دو قسمیں ہیں جن کا علم اُس کو کسی واسطے سے ہوتا ہے۔ اِس قسم کے دو واسطے ہیں۔ ایک احساس اور دوسرا عقل۔

پہلے سے گرد و پیش کی مادی چیزوں کا علم۔ انسان کے جسم کے اندر پانچ قسم کی جسمانی قوتیں ہیں، جن کو حواسِ خمسہ کہتے ہیں۔ انسان کے پاس یہی پانچ آلات ہیں، جن کے ذریعہ سے وہ ان مادی چیزوں کے متعلق علم حاصل کرتا ہے، جو اس کے ان آلات سے آکر ٹکراتی ہیں۔ اسی کا نام احساس ہے۔

علم بالواسطہ کی دوسری قسم وہ ہے جس کو ہم اپنی عقل و قیاس، غور و فکر اور استدلال کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں ان کی بنیاد درحقیقت اُنہی معلومات پر ہوتی ہے جن کا علم ہم کو اپنے وجدان، فطرت بداہتِ اولیہ اور احساس سے پہلے ہو چکا ہے۔ اور انہی معلوم شدہ اُمور پر غیر معلوم اُمور کو تمثیل یا استقرار کے ذریعہ قیاس کرکے ان معلوم شدہ امور کے خصوصیات اور آثار کا حکم ان غیر معلوم، لیکن مشابہ و مماثل پر لگا کر نتیجہ حاصل کرتے ہیں، وہ غیر معلوم امر جس پر معلوم امر کے ذریعہ ہم کوئی حکم لگاتے ہیں اگر مادی ہوتا ہے تو نتیجہ چنداں غیر مشکوک نہیں ہوتا اس کے سوا کہ جزئیات کا استقرار پورا نہ کیا گیا ہو یا تمثیل تام نہ ہو یا تجربہ و مشاہدہ نے دھوکا دیا ہو، لیکن اگر وہ مجہول امر غیر مادی ہے تو مادی امور پر اس غیر مادی کو قیاس کرکے اس کی نسبت جو کچھ کہا جائے گا۔ اس کا مرتبہ ظن و تخمین سے آگے نہیں بڑھتا۔

پس سب سے زیادہ یقینی علوم ہمارے وجدانیات اور فطریات ہیں

جو ہم کو قدرت کی طرف سے سب سے پہلے عنایت ہوتے ہیں کہ ہمارے وجود کی بقاء اس علم پر موقوف ہے۔

وجدانیات وفطریات کے بعد محسوسات کا علم انسان کو ملتا ہے محسوسات کے بعد بدیہیات اولیہ کا درجہ آتا ہے۔

سب سے اخیر میں اس علم کا درجہ آتا ہے جو وجدانیات، فطریات، بدیہیات اور محسوسات پر قیاس کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور جن کو معقولات سے تعبیر کرتے ہیں اِسی علم اور اِسی قوت کی کمی بیشی کا نتیجہ ہے کہ انسانی عقول درجہ اور مرتبہ میں متفاوت ہوتی ہیں۔ ایک جانب (کمی کی سمت میں) وہ حماقت تک پہنچ جاتی ہے اور دوسری جانب (سمتِ کمال میں) عاقل، عاقل تر اور عاقل ترین طبقہ تک اونچی ہوجاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ درجہ بھی آجاتا ہے کہ کسی کی عقل اس مرتبہ تک جا پہنچتی ہے جہاں اس کا کوئی دوسرا حریف اور ہم سر نہیں ہوتا۔ ایک جاہل حبشی سے لے کر ارسطو اور بو علی سینا تک سب اسی عقلی مدارج کے مختلف انسانی نظائر ہیں۔

عام طور سے انسانی علم کے یہ پانچ ذریعے اور طریقے سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن درحقیقت ایک اور ذریعہ بھی ہے جس کا تعلق تمام تر ماورائے مادہ سے ہے۔ اس کا تعلق مادّہ سے اتنا بھی نہیں ہوتا جتنا معقولات اور ذہنیات کا ہے۔ وہ تمام تر مادہ اور مادیات سے پاک ہوتا ہے۔ اس کو مادہ سے اسی قدر لگاؤ ہوتا ہے کہ وہ علم مادی دل ودماغ کے آئینہ پر اوپر سے آکر اپنا عکس ڈالتا ہے۔

اس غیر مادی علم کے بھی بہ ترتیب مختلف درجے ہیں، جن کو فراست ادراک، الہام، کشف اور وحی کہتے ہیں، اور جس طرح انسانی علم کے مذکورۂ بالا چاروں ذریعے انسان کے جسمانی قولے سے متعلق تھے اسی طرح یہ غیر مادی ذرائع انسان کی روحانی قوٰی سے وابستگی رکھتے ہیں اور جس طرح وجدان سے لے کر عقلیات تک بہ ترتیب ہمارا ذریعۂ علم خالص مادی، کامل مادی، کم مادی اور برائے نام مادی تک ترقی کرتا چلا گیا ہے اسی طرح فراست، حدس، کشف، الہام اور وحی بھی برائے نام مادی وروحانی سے لے کر بھر روحانی، کامل روحانی اور خالص روحانی کے ذریعہ تک ترقی کرتا چلا گیا ہے۔

غزل

(سید تعظیم علی، شایاںؔ)

نور افزا اُن کا جلوہ یوں ہمارے دل میں ہے
حُسنِ لیلیٰ وجہِ زینت جس طرح محمل میں ہے

تابِ نظارہ نہیں اور شوقِ نظارہ بہت
طالبِ جلوہِ حقیقت میں بڑی مشکل میں ہے

آ! فنا کر! یہ وہ کہتا ہے جو اُس سے مِل گیا
منزلیں طے کر چکا جو، وہ بھی اِک منزل میں ہے

لُٹ گیا ہوش و خرد کا آہ سرمایہ جہاں
بے سکونِ دل کا ساماں تو اسی محفل میں ہے

عاشقوں کے دل سے پوچھے کوئی محرومی کی قدر
امتحانِ عشق پنہاں سعیِ لاحاصل میں ہے

جان لے لوگے تغافل سے کسی مجبور کی
تم وہی آخر کروگے جو تمھارے دل میں ہے

روشنی کی کیا حقیقت جبکہ تاریکی نہیں
جلوۂ حق آشکارا ہستیِ باطل میں ہے

انتہائے عشق میں کیا امتیازِ حُسن و عشق
حُسن کا جلوہ نمایاں عاشقِ کامل میں ہے

تابکے دنیا کے کاموں میں رہے گی محویت
کچھ خدا کا خوف بھی شایاں دلِ غافل میں ہے

ہجرتِ مدینہ کے چند مناظر

(مولانا عبدالسلام، نعمانی

(۱)

(دوپہر کا وقت، تپتی ہوئی ریت، آنحضرت صلعم حضرت ابوبکر رضؓ کے گھر میں)

آنحضرت صلعم۔ (ابوبکر رضؓ سے) کچھ مشورہ کرنا ہے، سب کو ہٹا دو!

ابوبکر رضؓ۔ بے تکلف! یہاں آپ کے حرم کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

آنحضرت صلعم۔ اب مجھ کو ہجرت کی اجازت ہو گئی ہے۔

ابوبکر رضؓ۔ (بے تاب ہو کر) میرے باپ آپ پر فدا ہوں، کیا مجھ کو بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہو گا؟

آنحضرت صلعم۔ ہاں ہاں! ضرور۔

ابوبکر رضؓ۔ (اپنی دو اونٹنیاں پیش کرتے ہوئے) اچھا تو ان میں سے ایک آپ پسند فرما لیں۔

آنحضرت صلعم اچھا، مگر بقیمت۔

ابوبکر رضؓ۔ (مجبوراً قبول کر کے) پھر سامانِ سفر درست ہی کر لیا جائے۔

آنحضرت صلعم۔ ضرور، بے شک۔

(سفر کا سامان درست ہو رہا ہے۔ حضرت ابوبکر رضؓ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماء رضؓ[1] سفر کا سامان درست کرنے میں لگی ہوئی ہیں، دو وقت کا کھانا ناشتہ دان میں رکھ دیتی ہیں)

(۲)

آنحضرت صلعم۔ (کعبہ کو دیکھ کر) مکہ تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے لیکن اُف! تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے۔

(حضرت ابوبکر رضؓ سے پہلے ہی قرار داد ہو چکی ہے۔ دونوں صاحب جبلِ ثور کے غار میں آکر پوشیدہ ہو جاتے ہیں، صبح ہوتے ہی کفار تلاش میں نکل رہے ہیں)۔

ابوبکر رضؓ۔ (دشمن کی آہٹ پا کر) دشمن ہماری تلاش میں غار کے منہ تک آچکے ہیں۔ اور اب دشمن اس قدر آگے آچکے ہیں کہ اگر اُن کی نظر پڑ جائے تو ہم کو دیکھ لیں گے۔

آنحضرت صلعم۔ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (گھبراؤ نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے)۔

(غار کے منہ پر دفعتہً ببول کا درخت اُگ جاتا ہے۔ ساتھ ہی دو کبوتر آکر گھونسلا بناتے اور انڈے دیدیتے ہیں، آنحضرت چوتھے دن غار سے نکلتے ہیں اور عبداللہ بن اریقط جو رہنمائی کے لئے اُجرت پر مقرر کیا گیا تھا، آگے آگے راستہ بتا رہا ہے)

ابوبکر رضؓ۔ حضورؐ! دوپہر کا وقت ہے، دھوپ کافی تیز ہو چکی ہے۔ اب آرام فرما لیں، وہ سامنے چٹان نظر آرہی ہے، وہیں تشریف لے چلیں۔

آنحضرت صلعم۔ چلو پھر!

(ابوبکر رضؓ زمین پر چادر بچھا دیتے ہیں اور آپ آرام فرمانے لگ

[1] یہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ کی والدہ تھیں۔ نطاق جس کو عورتیں کمر سے لپیٹتی ہیں، پھاڑ کر اُنھوں نے ناشتہ دان کا مُنہ باندھ دیا تھا۔ یہ وہ شرف تھا جس کی بنا پر آج تک اُن کو "ذات النطاقین" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ۱۲

ہیں۔ پھر اچانک ایک چرواہے کو دیکھ کر)۔

ابوبکرؓ۔ او چرواہے! ایک بکری کا تھن گرد و غبار سے صاف کردے۔

(حضرت ابوبکرؓ دودھ دوہ کر آنحضرتؐ کے پاس لاتے ہیں آنحضرتؐ نوشِ فرماتے ہیں)

آنحضرتؐ۔ (دودھ پی کر) کیا ابھی چلنے کا وقت نہیں آیا؟ آفتاب ڈھل چکا ہے، چلو آگے چلیں۔

(صحیح بخاری شریف باب مناقبُ المہاجرین)

(۳)

(تشریف آوری کی خبر مدینہ پہنچ چکی ہے۔ ہر روز تڑکے ہی سے نکل کر انتظار کرتے ہیں)

ایک یہودی۔ عرب والو! تم جس کا انتظار کیا کرتے تھے، وہ آگیا۔

(نعرۂ تکبیر!— اللہ اکبر!— اللہ اکبر!)

ملی جلی آواز۔ طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا چاند نکل آیا ہے۔

مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوِدَاع کوہ وداع کی گھاٹیوں سے۔

وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا ہم پر خدا کا شکر واجب ہے۔

مَادَعیٰ لِلّٰہِ دَاع جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں

معصوم لڑکیوں کی آواز:

نَحْنُ جَوَارٍ مِّنْ بَنِی النَّجَّار

یَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِّنْ جَار

(ہم خاندانِ نجار کی لڑکیاں ہیں۔ محمد صلعم کیا ہی اچھے ہمارے ہمسایہ ہیں)۔

آنحضرتؐ۔ (لڑکیوں کو مخاطب کرکے) کیا تم مجھ کو چاہتی ہو؟

لڑکیاں۔ ہاں!

آنحضرتؐ۔ میں بھی تم کو چاہتا ہوں۔

(۴)

(ابوایوب انصاری رضؓ کے گھر میں)

ابوایوبؓ۔ حضورؐ! میرا مکان دو منزلہ ہے۔ بالائی منزل میں آپ قیام فرمائیں، یہ مناسب رہے گا۔

آنحضرتؐ۔ ہاں! لیکن ملنے والوں کی آسانی کے لئے نیچے کا حصہ زیادہ مناسب رہے گا۔ میں اس کو ترجیح دیتا ہوں۔

(مدینہ کے زمانۂ قیام میں مسجد تعمیر ہونے کی رائے ہو رہی ہے آخر خاندانِ نجّار کی زمین منتخب ہوتی ہے)

آنحضرتؐ۔ (خاندانِ نجار والوں کو بلاکر) میں یہ زمین بہ قیمت لینا چاہتا ہوں۔

نجار۔ ہم قیمت لیں گے، لیکن آپ سے نہیں، بلکہ خدا سے۔

(حضرت ابوایوب قیمت ادا کردیتے ہیں)

(۵)

(صحابہؓ پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے ہیں، آخر کچی اینٹوں اور کھجور کے چھپر و ستون سے مسجد تیار ہو جاتی ہے)

آنحضرتؐ۔ (انصار اور مہاجرین کو جمع کرکے) لوگو! میں تمہارے درمیان بھائی چارہ اور اخوت کا رشتہ قائم کرنا چاہتا ہوں۔

ایک آواز۔ ہم سب تیار ہیں۔

(حضرت انس رضؓ بن مالک کے مکان پر سب لوگ جمع ہو جاتے ہیں ۴۵ مہاجرین بھی ہیں)

آنحضرتؐ۔ (انصار سے) یہ مہاجرین تمہارے بھائی ہیں (پھر مہاجرین اور انصار سے دو دو آدمیوں کو بلاکر)— یہ اور تم بھائی ہوئے

(انصار مہاجرین کو ساتھ لے جاکر گھر کی ایک ایک چیز کا جائزہ لیتے ہیں کہ آدھا آپ کا آدھا ہمارا ہے) ✤

لنگڑا جنّتی

(مولٰینا محمد مظہر بقا)

رات بھیگ چکی ہے، ہر طرف سناٹا چھایا ہوا ہے، زندگی کے ہنگامے خاموش ہو چلے ہیں اور مدینہ پر تاریکی مسلّط ہے۔

قبیلۂ بنی سلمہ کے ایک شخص عمرو بن جموح کے وسیع مکان کے ایک کمرے میں دو نوجوان خاموشی سے داخل ہوئے اور تھوڑی ہی دیر میں اپنے ہاتھوں میں کوئی چیز اُٹھائے جلدی سے باہر نکل کر ایک گھوڑے کی طرف چلدیئے جہاں لوگ گندگیاں ڈالتے تھے اور کبھی کبھی پیشاب بھی کرتے تھے۔ اپنی لائی ہوئی چیز کو انھوں نے وہیں چھپایا اور تاریکی میں غائب ہو گئے۔

صبح ہوئی زمین اللہ کے نور سے منور ہو گئی، عمرو بن جموح مُسکراتا ہوا اُٹھا، اشراف بنی سلمہ کی طرح عمرو نے بھی اپنا معبود لکڑی کا تراش رکھا تھا اور اس کا دستور تھا کہ صبح اُٹھ کر سب سے پہلے وہ اپنے معبود مناۃ کے کمرے میں جایا کرتا تھا۔ چنانچہ حسب دستور عمرو اپنے معبود کے کمرے میں داخل ہوا لیکن رات کے وقت جس معبود کو وہ بعافیت اس کمرے میں چھوڑ گیا تھا جب اس وقت کمرے کے ہر گوشے میں ڈھونڈنے کے باوجود عمرو نے اُسے نہ پایا تو اُسے انتہائی تعجب ہوا۔ اُس کے ذہن میں یہ تو آ ہی نہ سکتا تھا کہ شاید معبود رات کو خود کہیں نکل گیا ہو اس لئے کہ اس کے معبود کی عادت ہی نہ تھی کہ رات یا دن کسی وقت خود سے حرکت کرے علاوہ ازیں چونکہ وہ لکڑی کا تراشا ہوا تھا، اِس لئے اس میں چلنے کی صلاحیت بھی نہ تھی۔

عمرو اس راز کی تحقیق کے لئے ایک کاہن کے پاس پہنچا۔ ابھی وہ راستے ہی میں تھا کہ اُس نے دیکھا چند چھوٹے بچے کسی چیز کے گرد جمع ہیں اور اس سے کھیل رہے ہیں۔ دریافتِ حال کے لئے عمرو اُس طرف گیا۔ اُس کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی، جب اُس نے دیکھا کہ بچے جس چیز سے کھیل رہے ہیں وہ اسی کا گندگی میں ملوث معبود ہے۔ عمرو اُسے اُٹھا کر گھر لے آیا، صاف کر کے خوشبو لگائی اور اُسے سابقہ مقام پر رکھ کر کہنے لگا کہ خدا کی قسم اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تیرے ساتھ کس نے یہ حرکت کی تھی، تو میں اُسے ذلیل کئے بغیر نہ رہتا۔

شام ہوئی، عمرو تمام کاموں سے فارغ ہو کر سو گیا۔ صبح اُٹھ کر حسب دستور عمرو مناۃ کے کمرے میں پہنچا تو مناۃ کو پھر اپنی جگہ پر نہ پایا۔ عمرو اِس مرتبہ دیر تک سوچنے کے بجائے، فوراً گھر سے نکل کر اسی طرف روانہ ہوا جہاں اُسے گزشتہ روز یہ معبود ملا تھا۔ چنانچہ جب عمرو وہاں پہنچا، تو اس نے اپنے معبود کو گزشتہ روز کی سی حالت میں وہیں پایا۔

عمرو نے انتہائی غیظ و غضب کی حالت میں اُسے اُٹھایا، گھر لایا، اُسے صاف کیا، خوشبو لگا کر سابقہ مقام پر رکھا اور اُس کے گلے میں یہ کہتے ہوئے ایک تلوار لٹکا دی کہ "خدا کی قسم مجھے قطعاً یہ علم نہیں کہ کون تیرے ساتھ یہ حرکت کرتا ہے؟ اب یہ تلوار تیرے پاس ہے، اگر تجھ میں کچھ بھی بھلائی ہو تو خود اپنی حفاظت کرنا"

آنیوالی رات کو عمرو نہایت اطمینان سے سویا اس لئے کہ وہ اپنے معبود کو ایک تیز تلوار دے ہی چکا تھا، اور اب مدافعت

معبود ہی کے ذمّہ تھی۔

صبح ہوئی عمرو معبود کے کمرے میں داخل ہوا۔ معبود کو اپنی جگہ نہ دیکھ کر عمرو کو کوئی تعجب نہ ہوا، بلکہ وہ جلدی سے کل اور پرسوں والے مقام کی طرف روانہ ہوا۔ یہ دیکھ کر اُسے ایک دھکا سا لگا کہ اُس کا معبود گندگی میں ملوّث پڑا ہے اور تلوار کے بجائے ایک مُردہ کُتّا اس کے گلے میں بندھا ہوا ہے۔ عمرو کو بیساختہ ہنسی آگئی، اس کے مُنہ سے بے اختیار نکلا کہ:

"خدا کی قسم اگر تو معبود ہوتا، تو کتّے کے ساتھ ایک رسّی میں بندھا ہوا اِس طرح نہ پڑا ہوتا۔ آج دھوکے کا پردہ میری آنکھوں سے ہٹ گیا۔"

عمرو جب گھر لوٹ کر آیا، تو ساتھ ہی وہ دونوں نوجوان بھی گھر میں داخل ہوئے، جن کی یہ حرکت تھی۔ ان میں سے ایک تو خود اس کا بیٹا معاذ تھا۔ دوسرا بنی سلمہ ہی کا ایک عزیز معاذ بن جبل تھا رضی اللہ عنہما۔ دونوں نے عمرو کو اسلام کی طرف دعوت دی اِس سے قبل بھی وہ اُسے اسلام کی دعوت دے چکے تھے، لیکن اِس مرتبہ اُس کے دل میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ گئی کہ اسلام ہی برحق ہے۔ اس کے بعد وہ رسول اللہ صلعم کے ہاتھ پر اسلام لے آیا۔

بدر کے بعد جنگِ اُحد کا موقع پیش آیا۔ عمرو کے چاروں بیٹے جہاد کے لئے نکلے۔ عمرو کے دل میں بھی شوقِ شہادت پیدا ہوا، اور اُس نے لڑکوں سے ساتھ لے چلنے کے لئے کہا۔ لیکن لڑکوں نے جواب دیا:

"اللہ کا فرمان ہے کہ اندھے، مریض اور لنگڑے کے لئے جہاد پر نہ جانے میں کوئی حرج نہیں۔"

لہٰذا انھوں نے ساتھ لیجانے سے انکار کر دیا۔ عمرو طلبِ اجازت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے، تو نبی کریمؐ نے بھی یہی فرمایا کہ تم پر جہاد فرض نہیں، تمھارا عذر تو خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا ہے۔

عمرو اپنے لنگڑے پَیر کی طرف دیکھ کر رو دیئے اور کہنے لگے کہ "اے اللہ کے رسولؐ! خدا کی قسم میں اپنے اِس لنگڑے پَیر کے ساتھ جنت میں جانا چاہتا ہوں۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے اِس جذبہ سے بڑے متاثر ہوئے اور ان کے بیٹوں سے کہا کہ انھیں بھی ساتھ لے لو، شاید اللہ تعالےٰ شہادت نصیب فرمائے۔

معرکہ ختم ہوا، شہیدوں کی تدفین کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر گئے۔ آپ نے فرمایا کہ "عمرو بن جموح اور عبداللہ بن حرام کو تلاش کرو۔[۱] چونکہ وہ دنیا میں بھی ایک دوسرے کے دوست تھے اِس لئے دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کرو۔

میرا خیال ہے کہ سوائے عمرو بن جموح کے اصحابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی شخص بھی لنگڑے پن کی حالت میں شہید نہیں ہوا۔ اِس لئے صرف عمرو ہی "لنگڑے جنّتی" ہیں۔

۱؎ عبداللہ بن عمرو بن حرام کا تذکرہ اسی شمارہ میں "مشاہیر صحابہ" میں ملاحظہ فرمالیں۔ "ایڈیٹر"

علاماتِ قیامت

اس کتاب میں رسول کریمؐ کے وقت سے لیکر قیامت تک کے ہر انقلاب عظیم اور اسکے نتائج کا ذکر ہے۔

یہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے مع اسناد وحوالہ جات تحریر شدہ حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کی وہ بیش بہا تصنیف ہے جس کا حضرت مولانا **نور محمد** نے زمانہ کی ضرورتوں پر لحاظ کرکے اپنے ملکی بھائیوں کے لئے شیریں و آسان اُردو زبان میں ترجمہ کیا۔ درحقیقت اس سے بڑھ کر نہایت صحیح اور مستند آثارِ قیامت آج تک آپ کی نظر سے نہ گزرے ہوں گے ہر لحاظ سے قابلِ قدر اور لائقِ مطالعہ کتاب ہے۔

قیمت بلا جلد آٹھ آنے

مجلد ایک روپیہ

اسبابِ زوالِ اُمت

یہ بے مثال کتاب دُنیائے اسلام کے نامور ادیب اور مجاہد اعظم علامہ شکیب ارسلان کی تصنیف ہے جس کو اُردو کا جامہ پہنایا گیا ہے۔

اس تلخ حقیقت سے ہرگز منہ نہیں موڑا جاسکتا کہ آج کل مسلمان دنیا کے ہر گوشہ میں محکوم اور زوال پذیر ہیں۔ ضرورت ہے کہ اصلاح سے قبل اسباب پر غور کیا جائے۔ یہ کتاب بڑی حد تک فکر وعمل کے میدان میں رہنما ثابت ہوگی۔

مُسلمانوں کی تباہی کا مرثیہ پڑھنے والے بہت سے گزر گئے اور اب بھی موجود ہیں لیکن علاج تجویز کرنے والے بہت کم ہیں۔ اس کتاب میں اسی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے

یہ شاندار کتاب موجودہ صدی کی بہترین اصلاحی تصنیف ہے اور درحقیقت اس قابل ہے کہ ہر ایک تعلیم یافتہ مسلمان اپنی زندگی میں ایک دفعہ ضرور فرصت اور اطمینان کے ساتھ اس کا مطالعہ کرے۔

قیمت مجلد ایک روپیہ آٹھ آنے

نور محمد، اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب۔ آرام باغ۔ فریر روڈ۔ کراچی

علمائے دین اور اہلِ خیر سے دو۔ دو باتیں

(حکیم عبدالشکور شکراوی)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ علماء اور اہلِ خیر ہی کسی جماعت کے دو مضبوط پہیے ہو سکتے ہیں، جن سے جماعتوں اور قوموں کی گاڑیاں چلتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ:-

"گاڑی دونوں پہیوں سے چلتی ہے"

اور ظاہر بات ہے کہ جب کسی گاڑی کے دونوں پہیے خراب ہو جائیں تو وہ گاڑی بیکار ہو جاتی ہے اور اگر کسی گاڑی کا ایک پہیہ خراب اور مرمت طلب ہو جائے تو گاڑی بان اس پہیے کو درست رکھنے اور مرمت کرنے کی جدوجہد شروع کر دیتا ہے اور توڑ پھوڑ کر درست کر کے گاڑی کو چلتا کر لیتا ہے۔ ہمیں افسوس ہوتا ہے کہ ہماری گاڑی کے یہ دونوں پہیے کمزور ہو چکے ہیں۔ اس لئے ہماری قومی گاڑی کی رفتار بھی بگڑ چکی ہے۔ باستثنائے چند ہمارے علماء کی یہ حالت ہے کہ وہ اپنی امامت اور معلمی کی بڑی بڑی تنخواہیں طلب کرتے ہیں۔ خطابت کے عوض اعلیٰ مشاہرے طلب کرتے ہیں۔ دینی تصانیف اور تالیفات پر انجمنوں اور جماعتوں سے معاوضے مانگتے ہیں۔ اپنی تبلیغ و وعظ کے نذرانے اور تھرڈ کلاس میں سفر کر کے فرسٹ کلاس اور سیکنڈ کلاس کے کرائے وصول کرتے ہیں اور بہت سے بھائی تو دینی کتابوں کے لئے عوام سے چندہ وصول کر کے اپنی کتابوں کو بڑی بڑی قیمتوں پر فروخت کرتے ہیں اور پھر اس پر طرّہ یہ کہ ان سب کے لئے ان کے ہاں جواز کی تاویلی شکلیں موجود ہیں لیکن پھر بھی وہ وراثتِ انبیاء کے مدعی ہیں۔ حالانکہ نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ: وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ .... (اے میری قوم میں تم سے اس تبلیغ کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، میرا معاوضہ (دینا نہ دینا) تو خدا پر ہے) اور حضرت ہودؑ کا قول اس طرح نقل ہے کہ انہوں نے کہا:- يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي الَّذِيْ فَطَرَنِيْ (اے میری قوم میں تم سے اس تبلیغ کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، میرا معاوضہ (دینا نہ دینا) تو اس پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا) اور خود حضور سید الانبیاء کو ارشاد ہوتا ہے:- قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (اے محمد کہہ دو کہ میں (اس تبلیغ کا) جو معاوضہ بھی طلب کروں وہ سب تمہارا، میرا معاوضہ (دینا نہ دینا) تو صرف خدا پر ہے۔ وہ ہر چیز پر گواہ ہے) ..... پھر اس قوم کے پانچ مقولے سورہ شعراء میں دہرائے گئے ہیں۔ ہم نہیں جانتے ہمارے علماء نے آخر دینی کاموں کی اجرت مانگ کر اور ٹھیرا کر لینے کا جواز کہاں سے نکال لیا ہے۔ اس میں کوئی

شک نہیں کہ اگر کوئی شخص دینی خدمت کرتا ہے پھر اس دینی خدمت کے صلے میں بغیر طلب اجرت کے بطور احسان اور دعوت کے ملتا ہے تو یقیناً وہ جائز اور حلال ہے۔ اور بیشک عوام کا فرض ہے کہ وہ دینی خدمت کرنیوالوں کی خدمت کریں اور اپنے حُسنِ سلوک سے ان کی ہمّت افزائی اور عزّت افزائی کریں۔ مگر اپنے ترفعہ اور تکاثر اموال کے لئے دینی خدمات کے صِلہ میں بڑی بڑی تنخواہوں کی تلاش اور مرفعہ حال جماعتوں کی جستجو اور چھینا جھپٹی کس طرح جائز ہو سکتی ہے۔ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے اسوہ ہائے زندگی اور خلفائے راشدین کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دینی کاموں کی اُجرتوں کو مذموم و قبیح سمجھتے تھے۔ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت ۲ سال ۳ ماہ ۱۳ دن رہی۔ آپ نے اپنے پاس صرف ایک دینار ترکہ چھوڑا۔ جب وفات ہونے لگی تو اپنے گھر والوں کو بیت المال کا قرضہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ ائمہ محدثین اور خلفاء اسلام اور بادشاہان اسلام کے سوانحات و تذکروں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دینی خدمات کے سلسلے میں عوام سے کوئی رقم نہیں طلب کرتے تھے۔ بلکہ ہمارے اسلاف میں ایسے ایسے آدمی ہو گزرے ہیں کہ وہ اپنی ضرورتوں کو بھی عوام پر ظاہر نہیں کرتے تھے۔ حضرت امام داؤد ظاہری کا حال پڑھئے جو محدّثین کے بڑے زبردست پیشوا تھے۔

ان کے زمانے کے ایک قاضی صاحب کا بیان ہے کہ ایک بار میں عید کی نماز پڑھ کر مبارکباد دینے کے لئے امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اندر داخل ہوا تو ان کے سامنے ایک طباق رکھا تھا۔ اس میں اُبلی ہوئی سبزی اور آٹے کی بھوسی تھی مجھے بہت رنج ہوا۔ اور یہاں سے نکلکر میں سید صاحب ہاں کے ایک رئیس کے ہاں گیا جو بہت سخی اور فیاض مشہور تھا۔ اس نے میری بڑی آؤ بھگت کی میں نے کہا تم اتنے دولت مند اور فیاض ہو۔ مگر امام صاحب کے حالات سے بالکل بے خبر ہو تمہیں معلوم نہیں کہ وہ مسلمانوں کے کتنے بڑے عالم ہیں۔ اس نے کہا جناب میں کیا کروں کل ہی میں نے ایک ہزار درہم ان کی خدمت میں پیش کئے تھے انہوں نے فوراً واپس کر دیئے اور غلام کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ تم نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے اور تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں ضرورت مند ہوں۔ مجھے یہ سنکر بڑا تعجب ہوا۔ اور اس سے کہا کہ تھیلی مجھے دیدو۔ میں خود جاکر دے آتا ہوں۔ اس نے ایک کی جگہ ایک ایک ہزار درہم کی دو تھیلیاں دیں۔ میں پھر تھیلیاں لے کر امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مگر انہوں نے فرمایا شاید یہ اس بات کی سزا ہے کہ میں نے تمہیں اپنا رازدار بنایا تھا۔ میرے اوپر رحم کیجئے اور اس سوغات کو فوراً واپس لے جائیے۔ امام صاحب کی اس خودداری، صبر، قناعت اور توکّل کا مجھ پر بہت اثر ہوا اور دنیا میری نظروں میں ہیچ نظر آنے لگی ۔" (تذکرہ ذہبی وغیرہ)

یہ واقعہ تو بہت قبل کا ہے۔ ابھی ماضی قریب کے ایک خدا پرست مولوی عالم کا حال سُنئے:۔

مولینا سید اولادحسن قنوجی حضرت سید احمد بریلوی کے خلیفہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد ہیں۔ ان کے متعلق مولینا ابوالحسن علی ندوی اپنی مشہور تالیف سیرت سید احمد شہید میں تحریر فرماتے ہیں۔ دس ہزار آدمیوں سے زیادہ قنوج اور اطرافِ قنوج کے لوگ آپ کے مرید ہوئے اور کئی ہزار ا[illegible] مشرف بہ اسلام ہوئے۔ مختلف مقامات میں بہت سے مدا[illegible]

ومساجد کی بنیاد ڈالی۔ تورع اور استغنا میں سلف کے نمونہ تھے اسی تقویٰ و احتیاط کی بنا پر والد کی عظیم الشان جائداد چھوڑی۔ ایک دفعہ سید صاحب نے آپ سے فرمایا کہ:-

"سید برادر! شما اموال کثیر والدخود کہ حسا بش بلکو کک برسد چرا گذاشتید امروز آں زر بسیار اگر بدست شما می بود بکار مسلماں می آمد"!

مولٰنا نے جواب دیا کہ:-

مخدوم! گذاشتم پدر من شیعی بود و مال بسیار فراہم آوردہ وعمارات بسیار برائے نام آوری بنیاد نہادہ ندانم کہ از وجہ حلال است یا حرام اگر حرام ست خود گرفتنی نیست و اگر حلال ست حق تعالےٰ مرا عوض آں دولت علم بخشیدہ از آں مستغنی فرمودہ است"۔

فان المال یغنی عن قریب ÷ وان العلم یبقی لم یزال

"برادر سید صاحب! آپ کے والد کا لکھو کھا مال آپ نے کیوں ترک کیا۔ آج اس کی بہت ضرورت ہے۔ اگر آپ کے پاس ہوتا تو مسلمانوں کے آج کام آتا"

"مولٰنا عالی جاہا! میرے والد صاحب شیعہ تھے۔ انہوں نے جائز اور ناجائز بہت مال اکٹھا کر لیا تھا اور نام کے لئے بہت سی عمارات تعمیر کرائی تھیں، اگر وہ مال ناجائز تھا تو مجھے اس کی ضرورت نہیں اور اگر وہ جائز تھا تو باری تعالےٰ نے اسکے عوض مجھے کافی علم بخشا ہے" سچ ہے۔

"مال پاس سے ختم ہوجاتا ہے لیکن علم ہمیشہ باقی اور لافانی ہوتا ہے"۔

سچ ہے قومیں ایسے ہی بے نفس بے نیاز اور خوددار بزرگوں کی بدولت ترقی کرتی ہیں۔ اسلام نے انہی بزرگوں کی بدولت دنیا میں علم و اخلاق کی روشنی پھیلائی! آج اگر ہمارے علما خوددار بن جائیں اور عوام پر بوجھ نہ بنیں اور ان سے کوئی مالی یا اعزازی توقع نہ رکھیں تو یقین جانئے گا کہ ہمارے علماء کے وعظوں میں تقریروں میں خطبوں میں وہ اثر پیدا ہو کہ بُرائیوں کے بادل چھٹتے چلے جائیں۔ بدکاریوں کے جذبات ٹھنڈے پڑ جائیں، نیکیوں کے جذبات خود بخود اُبھر آئیں پھر نئے سرے سے قرون اولیٰ کے مسلمان جاگ پڑیں۔

پیٹ کے دھندوں نے ہمارے علماء میں معاصرانہ منافرتیں فقیہانہ موشگافیاں اور مولویانہ چھیڑ چھاڑ، مفتیانہ نوک جھونک ایسی عام کر دی ہیں کہ اب ہمارے دو عالموں کا ہم خیال ہو کر باہم تبادلۂ خیال کر لینا محال و ناممکن ہو گیا ہے۔ اسی وجہ سے جماعتوں میں اختلاف انجمنوں میں اختلاف جمعیتوں میں اختلاف مدرسوں میں اختلاف مدرسہ کے کارندوں میں اختلاف مدرسوں کے طلباء میں اختلاف!

اب ہمارے امراء کا حال بھی سنئے۔ ان کی دنیا ہی الگ ہے گویا! انہی کے حق میں مولٰنا الطاف حسین حالیؔ فرما گئے ہیں:-

کسی قوم کا جب الٹتا ہے دفتر ÷ تو مسخ ان میں ہوتے ہیں پہلے تونگر
کمال ان میں رہتے ہیں باقی نہ جوہر ÷ نہ ان کی عقل ہیر پھیر دیں ان کا یاور

حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قبل عوام سلاطین کی خدمت کے لئے وقف تھے۔ آپ نے اعلان فرما دیا سید القوم خادمھم (امیر قوم کا کام خدمتِ قوم ہے) عرب کے گرد و نواح میں دو بڑی بڑی سلطنتیں تھیں۔ سلطنت قیصر اور حکومتِ کسریٰ یہ دونوں نہایت ظالم اور عیاش تھے۔ یہ لوگ سلطنت کی آمدنی ذاتی عیش و آرام میں برباد کر رہے تھے۔ انہوں نے کروڑوں انسانوں کو غلام بنا رکھا تھا۔ یہ بڑے بڑے محلات میں رہ کر

عیش و مستی کے مزے لوٹ رہے تھے لیکن دوسری طرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ساری زندگی کھدر کے صرف ایک جوڑے میں گزار دی تین تین ماہ تک آپ کے چولھے میں آگ نہیں جلتی تھی۔ سات سات دن تک پیٹ پر پتھر باندھے پھرتے تھے۔ جب خیبر کے چالیس قلعے فتح ہوئے اور حضور شہر میں بحیثیت فاتح داخل ہوئے تو معلوم ہے کہ وہ کس رنگ میں داخل ہوئے تھے۔ ایک گدھے کی برہنہ پیٹھ پر سوار تھے اور گدھے کے گلے میں رسّی کی جگہ کھجور کے پتے باندھ رکھے تھے۔ آپ کا روزانہ معمول یہ تھا کہ صبح کے نو بجے تک محوِ عبادت رہا کرتے تھے۔ پھر گھر تشریف لے جاتے اور وہاں چھوٹے چھوٹے کام کرتے۔ مثلاً چارپائی اور جوتے کی مرمّت، جھاڑو دینا اور کبھی کبھی اپنے کپڑے دھونا وغیرہ۔ ایک بجے پھر مسجد میں تشریف لے جاتے۔ ظہر و عصر کے درمیان عدالت کرتے۔ انتظامیہ امور کی طرف توجہ دیتے۔ گورنروں کی بھیجی ہوئی رپورٹیں سنتے بیت المال کے حسابات مکمل کراتے۔ نئی مہمات کے لئے فوج راشن اور اسلحہ کے بندوبست کرتے۔ رات کو ایک بجے تک محوِ دعا رہتے اور پھر دو گھنٹے آرام فرماتے تھے۔ آپ کے جانشینوں کی یہ کیفیت تھی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو چھوٹی بچیاں گلی میں گھیر لیتیں اور کہتیں ہمارے اچھا ابا۔ آؤ ہماری بکریوں کا دودھ دوہ جاؤ یا میری گڑیا کی شادی میں شمولیت کر لو اور آپ ان چھوٹی چھوٹی التجاؤں کو منظور فرما لیتے۔ خلیفہ دوم کی یہ حالت تھی کہ مدینہ کی دو درجن نادار بیواؤں کے گھر میں سحر کو جاتے ان کے گھروں میں جھاڑو دیتے اور ان کے گھڑوں میں پانی بھر آتے۔ جب ایک بستی میں ایک عورت کو دیکھا کہ خالی پانی ہنڈیا میں ڈال کر بھوکے بچے کو بہلا رہی ہے تو بیت المال سے دو من راشن نکلوایا اور اپنی پیٹھ پر اٹھا کر سات میل دور اس کے گھر میں پہنچا آئے۔

ایک مرتبہ ایک یہودی کوئی فریاد لیکر آیا تو دیکھا کہ آپ زیرِ تعمیر مکان میں سو رہے ہیں اور ٹانگیں گارے میں لتھڑی ہوئی ہیں۔

ایک رات آپ پہرہ دے رہے تھے کہ ایک خیمہ سے انہیں کراہنے کی آواز آئی۔ معلوم ہوا کہ ایک مسافر بدّو کی عورت دردِ زہ میں مبتلا ہے فوراً گھر میں آئے تھوڑا سا دودھ کچھ کھجوریں اور بیگم کو ساتھ لیکر خیمہ میں پہنچے اور بیگم نے دائی کے فرائض انجام دیئے۔ جب بچہ پیدا ہوا تو بیگم نے آواز دی کہ اے امیر المومنین اپنے دوست کو بیٹے کی ولادت کی مبارکباد دیجئے۔ امیر المومنین کا لفظ سُنکر بدّو دہشت زدہ ہو گیا اور لگا معذرت کرنے۔ آپ نے اطمینان دلایا اور فرمایا کہ امیر کا فرض ہی خدمت کرنا ہے۔

مت بھولئے کہ قیصر و کسریٰ کو تباہ کرنے والے یہی عمرؓ تھے اور ان کی سلطنت بخارا سے لیبیا تک اور بلخ سے بحرۂ خضر تک پچیس لاکھ مربع میل میں پھیلی ہوئی تھی۔

خلیفہ سوم اور چہارم عموماً فرش خاک میں آرام فرمایا کرتے تھے اور بعد کے ایک خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی شخص ملنے آ گیا تو آپ نے چراغ گل کر دیا پوچھنے پر فرمایا کہ میں ذاتی ملاقات کے لئے سرکاری تیل جلانا بددیانتی سمجھتا ہوں۔

(باقی صـ ۴۸ پر)

سرزمینِ مصر کا ایک اصلاحی قصہ — پندرھویں قسط

نجمہ

(معراج محمد بارق)

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

"نجمہ اور اس کی سہیلی رضیہ اپنی گمراہانہ روش چھوڑ کر اسلام کی پابندی کرنے لگیں جس پر اسکے سب گھر والے نالاں تھے، خصوصاً اس کی والدہ زینت بیگم اور بڑی بہن نسیمہ۔ زینت بیگم نے اس کی شادی ایک رنگیلے نوجوان سے کر دی جو نجمہ کو نئے فیشن کی لڑکی سمجھتا تھا۔ نجمہ بامرِ مجبوری اس رشتہ پر راضی ہوگئی۔ شادی کے بعد یہ دونوں "ماہِ عسل" گزارنے پہلے تو دیہاتی بنگلہ گئے اور پھر اسکندریہ، جہاں سب گھر والے گرمیاں گزارنے آئے ہوئے تھے۔ وہاں نسیمہ کی زبانی اسے معلوم ہوا کہ اس کی سہیلی ثریا اور رضیہ بھی یہاں آئی ہوئی ہیں۔ اس نے ان دونوں کو بُلوا بھیجا۔ رضیہ سے تو اسی روز ملاقات ہوگئی لیکن ثریا سے نہ ہو سکی وہ کہیں گئی ہوئی تھی۔"

جس دن ثریا ساحل پر پہنچی اسی روز اسے نجمہ کی آمد کا علم ہوا۔ وہ فوراً ہی اسکے ساحلی بنگلہ گئی لیکن وہاں کسی کو نہ پایا، کیونکہ اس وقت زینت بیگم صفی کے ہمراہ سمندر میں نہانے چلی گئی تھیں۔

اس نے سوچا کہ ان کی رہائش گاہ پر جانا چاہئے وہاں وہ ضرور مل جائیں گی۔ رہائش گاہ ساحل سے تھوڑی ہی دُور واقع تھی۔

اسی دن شام کو ان کی رہائش گاہ پر گھنٹی بجی، ملازم باہر آیا تو آنے والی نے کہا:

——— نجمہ ہیں؟ ان سے کہنا کہ ثریا ملنے آئی ہے۔

کچھ دیر بعد خود نجمہ اس کو لینے آئی، وہ اس سے مل کر بہت خوش تھی، دونوں ایک جگہ بیٹھ کر پرانی یادیں تازہ کرنے لگیں

ابھی یہ دونوں خوشی خوشی باتوں میں مشغول تھیں کہ نسیمہ ایک سہیلی کو ساتھ لئے اِدھر آنکلی، یہ سہیلی اس کے ساتھ "انجمن خواتینِ مصر" میں شریک تھی۔ یہ دونوں اُٹنگے بھڑک دار کپڑے پہنے تھیں جن سے کُولھے بھی بمشکل پوشیدہ ہوتے تھے۔

اُن کے آتے ہی ثریا استقبال کو کھڑی ہوگئی۔ بیٹھنے سے پہلے ہی نسیمہ دیر سے آنے کی معذرت کرنے لگی، کہنے لگی:

——— معاف کرنا ثریا! ہمیں آنے میں ذرا دیر ہوگئی آج ذرا اِن کے ساتھ ایک اہم موضوع پر گفتگو شروع ہوگئی تھی

...... موضوع کیا تھا، بس انجمن سے متعلق ایک پیچیدہ مسئلہ تھا، سوچنا تھا کہ اسے کس طرح حل کیا جائے۔

یہ باتیں سنکر ثریا کے دل میں گدگدی سی ہوئی اور یہ مسئلہ معلوم کرنے

کی خواہش اُبھری ـــــ فوراً ہی پوچھا:

ـــــ آخر کونسا ایسا مشکل مسئلہ تھا؟ ہمیں بھی تو بتائیے۔

ثریا کا اشتیاق دیکھ کر نسیمہ بہت خوش ہوئی ـــــ جھٹ جواب دیا:

ـــــ مسئلہ یہ تھا کہ اپنے ملک کو غیر ملکیوں سے کس طرح پاک کیا جائے .... اب تک ہم نے غیر ملکی اشیاء کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کا پروگرام تو بنا لیا ہے ...... کیونکہ آزادیٔ وطن کے استحکام کے لئے یہ اقدام بہت ضروری ہے کہ ان کا بائیکاٹ کیا جائے۔

ثریا نے تعجب سے پوچھا:

ـــــ غیر ملکی اشیاء کا بائیکاٹ؟

ـــــ جی ہاں ...... اور مجھے امید ہے کہ آپ بھی اس میں ہمارا ساتھ دیں گی۔

ثریا نے یہ سنکر صاف انکار کر دیا، کہنے لگی:

ـــــ مجھے اُمید نہیں کہ اس بائیکاٹ سے کوئی خاطر خواہ فائدہ ہو، جبا ......

ـــــ "تم یہ کیا کہہ رہی ہو؟" نسیمہ نے غصہ میں یہ کہہ کر فوراً اس کی بات کاٹ دی۔

ثریا نے اس کو بغور دیکھا اور پھر بولی:

ـــــ میں کہہ رہی ہوں کہ اس بائیکاٹ سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ جبکہ ہمارے ہاں ایک اور چیز اس سے زیادہ رائج ہے اور خطرہ میں اس سے کسی طرح کم نہیں۔

نسیمہ نے حیرت سے منہ پھاڑ دیا، چیخکر پوچھنے لگی:

ـــــ میں تمہاری بات بالکل نہیں سمجھی ..... تمہارا مطلب کیا ہے؟

ـــــ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ صرف مادی تجارت کا بائیکاٹ کرنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ آزادیٔ وطن کے استحکام کے لئے یہ اقدام کافی نہیں۔

وہ تجارت جس کا بازار سرد کرنا ہر محب وطن کے لئے ضروری اور جس کا بائیکاٹ کرنا ہر آزادیٔ وطن کے طالب پر لازم ہے، وہ ہے "غیر ملکی بدعات و فیشن پرستی کا کاروبار اور دین کی مخالف رسومات و تعلیمات کا بیوپار" جس کی گھٹا ٹوپ چادرِ ظلمات لحظہ بہ لحظہ ہمارے ملک پر چھاتی جارہی ہے۔

نسیمہ نے بڑے انداز سے اُسے دیکھا اور متعجب ہو کر بولی:

ـــــ اِن چیزوں کا ہماری آزادی سے کیا تعلق؟ یہ چیزیں تو انہوں نے صرف شان و شوکت بڑھانے اور ہمارے حسن میں اضافہ کرنے کے لئے ایجاد کی ہیں، اِن کا اور کوئی مقصد نہیں۔

لیکن ثریا نے بڑے یقین سے کہا:

ـــــ نہیں .... یہ مت خیال کرو۔ اس سے آگے بھی کچھ مقصد ہے!

ـــــ عجیب بات ہے، .... اس کے علاوہ اور کیا مقصد ہو سکتا ہے!

ـــــ مجھے یقین ہے کہ ان کے اس بدعت پھیلانے اور اپنی رسوم و عادات کو رواج دینے کا مقصد یہ ہے کہ وہ ہمیں ذہنی طور پر اپنا غلام بنالیں، اس طرح ہم لامحالہ اپنے دین کو ترک کر دیں گے، ان کا یہ جال زمین سے اتنا ہمرنگ ہے کہ بڑے بڑے ہوشیار لوگ بھی اس میں آجاتے ہیں

لیکن خدا کا شکر ہے کہ ہمیں جو اعلےٰ درجہ کی ثقافت اور ہدایت خداوند تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی ہے اس کی روشنی میں ہم اس جال کا شکار نہیں ہو سکتے۔

نسیمہ کی سہیلی اس کی یہ باتیں بہت غور سے سن رہی تھی۔ یہ گفتگو سن کر خوشی میں اس کی آنکھیں چمک اٹھیں اس کو محسوس ہوا کہ گویا ایک دبیز پردہ اس کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹ گیا ہو، ثریا کے گفتگو ختم کرتے ہی اس نے اس طرح اظہارِ خیال کیا،

—— ثریا! میں آپ کی ذہانت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتی، آپ نے ہم کو ایک سربستہ راز سے واقف کر دیا۔ اس سے قبل ہم تو اس سے بالکل غافل تھے، ہماری انجمن کا فرض ہے کہ وہ اس خطرہ کا بھی حل سوچے۔

نسیمہ نے جب اپنی سہیلی سے یہ باتیں سنیں تو بہت بھنائی، بگڑ کر بولی:

—— نہیں! ہم یہ بات بالکل نہیں جانتے۔ آجکل اس زمانہ میں اس پر عمل کرنا ناممکن ہے۔

ثریا یہ سنکر بہت غصہ ہوئی، کہنے لگی:

—— آخر کیوں؟ کیا صرف اس لئے کہ یہ لہر جن لوگوں کو اپنے ساتھ بہالے گئی ہے وہ ڈرتے ہیں کہ اس طرح کہیں وہ غیر مہذب نہ پکارے جانے لگیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دینی حدود کا خیال رکھے بغیر اس گمراہ کن فیشن میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

مجھے تعجب ہے کہ آجکل کی لڑکیاں سمجھتی ہیں کہ ایک دوسرے پر اترانا اور فخر کرنا بھی تہذیب اور فیشن میں داخل ہے۔ ان کو نہ دین کی پرواہ ہے نہ آخرت کا فکر۔ اس کی تعلیمات سے بالکل غافل ہیں۔ ننگے اُٹنگے کپڑے پہن کر اتراتی ہوئی نکلتی ہیں۔ مغربی فیشن کی پرستار بن گئی ہیں اب جو بھی دوسری طرح کے کپڑے پہنتا ہے اور اپنے دینی احکام کی رعایت رکھتا ہے اس کا مذاق اُڑاتی ہیں۔

نسیمہ فوراً ٹھٹھا مار کر ہنس پڑی، اُسے کل کا منظر یاد آگیا، جب کہ ساحل پر اس کی بہن مکمل لباس پہنے آئی تھی۔ پھر کہنے لگی:

—— اچھا اب تم سب کو وہی لمبا چوڑا لباس پہناؤگی جو تمہاری پہنتی ہے اور دوپٹہ بھی اُڑھاؤگی!! بہن! تمہیں معلوم نہیں ایسا انوکھا لباس پہننے سے دوسرے لوگ ہمارا کیا مذاق اڑائیں گے۔

ثریا نے بڑی جرأت سے جواب دیا:

—— نہیں بہن! .... ہم تو اس چیز سے نہیں ڈرتے۔ ہمیں غیرت اس سے آتی ہے کہ ایک غیر ملکی شخص ہمارے یا کسی اور اسلامی ملک میں آئے اور وہاں کی عورتوں کو دیکھکر تمیز نہ کر سکے کہ مسلمان کون ہیں اور غیر مسلم کون؟ نہ ان کا لباس مختلف ہو نہ رہن سہن، نہ ان کی چال ڈھال میں فرق ہو نہ کام کاج میں۔ سب سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم اپنے وطن میں رہتے ہوتے کیوں ان کا فیشن اپنائیں، اپنے طور طریق پر گامزن کیوں نہ رہیں؟

سہیلی یہ باتیں سنکر ثریا سے کافی متفق ہوگئی نسیمہ سے کہنے لگی:

—— میرے خیال میں ان کی رائے بالکل ٹھیک ہے۔۔ ...... اب ہمیں اس بارے میں ذرا بھی ڈھیل نہیں دینی

چاہیئے۔ فرض ہمیں دلی خواہشات کو کچلنے کی دعوت دیتا ہے لہٰذا ہمیں وہی زیب وزینت اختیار کرنی چاہیئے جو ہمارے دین سے مناسبت رکھتی ہو اس کی تعلیمات اور اصول کے خلاف نہ ہو، تاکہ ہم میں اور غیر ملکیوں میں امتیاز ہو سکے اور ہمارا ایک قومی شعار قائم ہو جائے جو ہماری آزادی اور قومیت کے لئے نہایت ضروری ہے۔

نسیمہ یہ سنتے ہی ٹھٹھا مار کر ہنس پڑی، جس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ان باتوں سے کتنا جلتی اور مذاق اڑاتی ہے ——— نجمہ نے اس کی یہ مغرب پرستی دیکھکر کہا:

——— نسیمہ! تم دینی امور کا کب تک مذاق اڑاتی رہوگی بتاؤ تو سہی اگر آج غیر ممالک میں طویل لباس پہننے کا فیشن شروع ہو جائے تو کیا تم اُسے نہیں پہنوگی اور اُٹنگے کپڑوں کی نسبت انہی کو پسند نہ کروگی؟ لیکن اگر ہمارا دین ایسا لباس پیش کرتا ہے تو تمہیں اس سے عار آتی ہے، آخر بتاؤ یہ جو تم نے غیر ملکیوں کو مصر سے نکال باہر کرنے کی مہم شروع کر رکھی ہے اس کا سبب کیا ہے؟

اس نے بے دھڑک جواب دیا:

——— اس کا سبب کیا پوچھتی ہو، وہ تو بالکل واضح ہے۔ بس یہی کہ ہم اپنے ملک میں ہر طرح آزاد رہیں، دوسروں کی غلامی کا جُوا ہمارے کاندھوں سے اُتر جائے۔

نجمہ اپنی بہن کی تضاد بیانی سے بہت ہی متعجب ہوئی، پوچھنے لگی:

——— یہ تم کیسے کہہ رہی ہو۔ ابھی تو تم محض غیروں کی ملامت اور ٹھٹھے کے اندیشہ کی بنا پر شریعت پر نکتہ چینی کر رہی تھیں کہ ہمیں اپنا خاص لباس نہ پہننا چاہیئے بلکہ انہی کا فیشن اپنانا چاہیئے۔ میں دیکھتی ہوں کہ تم ہمیشہ اور ہر بات میں ان ہی کی تقلید کرتی ہو، طور طریق ہوں تو ان کے سے ہوں، زیب وزینت ہو تو ان کی سی ہو۔ کیا یہ ان کی غلامی نہیں؟ کیا اس اندھی تقلید سے ہم ان کی نظروں میں ذلیل نہیں ہوتے۔ کیا وہ اس طرح ہمیں حقارت کی نگاہوں سے نہیں دیکھتے ہوں گے، کیا اس سے وہ اپنے کو قوی اور ہمیں کمزور، اپنے کو آقا و لیڈر اور ہمیں فرمانبردار نوکر و غلام نہ سمجھتے ہوں گے؟

یہ کہہ کر وہ دوسروں کی طرف متوجہ ہوئی اور نہایت مخلصانہ انداز میں افسوس کا اظہار کرتے ہوئے بولی:

——— مجھے پختہ یقین ہے کہ یہی دینی امور کا ترک اور غیر ملکی مفاسد کا اختیار، ملک کے امن وامان اور اس کی آسودگی و ترقی کا سب سے بڑا روڑہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر ملکی لوگ ہمیں اپنا ذہنی غلام بنا کر اپنا اُلّو سیدھا کر رہے ہیں۔ ورنہ خداوند تعالیٰ کا فرمان ہے:-

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ (تمہارا پروردگار کسی بستی کو ظلماً ہلاک نہیں کرتا جبکہ اس کے باشندے اپنی صلاح و درستی میں مشغول ہوں)۔

جیسے ہی نجمہ نے گفتگو ختم کی، سہیلی فوراً بول اٹھی

——— آپ نے جو کہا بالکل ٹھیک کہا ...... مجھے حیرانی ہوتی ہے کہ ہم اب تک ان کی رسوم وفیشن کے بائیکاٹ کو چھوڑ کر ان کی تجارتی اشیاء کے بائیکاٹ پر دماغ

ائج کرتے رہے حالانکہ ان کی رسوم وفیشن کا بائیکاٹ تجارتی ئیکاٹ سے کہیں زیادہ ضروری ہے۔ بلکہ یہ نتائج کے اعتبار سے ایک گونہ تجارتی بائیکاٹ بھی ہے کیونکہ غیر ملکی اشیاء مانگ اور کھپت ان کی رسوم و بدعات سے وابستہ ہے جب لوگ ان کی سی زندگی بسر نہ کرینگے اور وہی فیشن اختیار نہ رینگے ان کو یہ بیرونی چیزیں درکار نہ ہوں گی۔

یہ باتیں سُنکر نسیمہ خاموش نہ رہ سکی، اس کو اندیشہ وگیا تھا کہ کہیں اس کی سہیلی نجمہ سے متاثر نہ ہوجائے۔ انچہ اس نے سوچا کہ اب نجمہ کو ذرا پھیکا کرنا چاہئے، یہ سوچکر ں:

— نجمہ! تمہاری باتیں جو بھی سنتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ تم فرنگی شن اور انگریزی رسومات سے بالکل مبرا ہو، حالانکہ فی الواقع بات نہیں، میرے خیال میں تم بھی اسی فیشن میں مبتلا ہو۔ ۔۔ اگر میں ان سہیلیوں کے سامنے تم سے چند سوالات کروں نہیں بھی میرے قول کی سچائی کا اعتراف ہوجائے گا۔

دونوں سہیلیاں اس کی یہ بات سُنکر حیران رہ گئیں۔ متعجب نگاہوں سے نجمہ کو دیکھنے لگیں، نجمہ نے نہایت ون واطمینان سے جواب دیا:

— میں آپ کی ہر بات کا جواب دینے کیلئے تیار ہوں۔

نسیمہ نے بڑے دھڑلے سے پوچھا:

— اگر تم فی الحقیقت اسلامی طرز معاشرت کا دم بھرتی ہو فرنگی فیشن اور بناؤ سنگھار کی دشمن ہو تو تم نے یہ مالداروں سے اُجلے قیمتی کپڑے کیوں پہن رکھے ہیں، تمہارا رہن سہن ٹھاٹھ دار کیوں ہے؟ تم زاہدوں کا سا سیدھا سادہ اور پھٹا پُرانا لباس کیوں نہیں پہنتیں؟

نجمہ اسلامی لباس کے متعلق یہ نظریہ سُنکر بہت حیران ہوئی، کہنے لگی:

— نہیں بہن! ...... ہمارا دین ایسا لباس پہننا اور اس حال میں رہنا نہیں سکھاتا جیسا کہ تم سمجھ رہی ہو ہمارے دین کی ایسی مسخ شکل تو اسکے دشمنوں اور جہلاء نے لوگوں کے دل ودماغ پر بٹھا دی ہے، تاکہ اس طرح وہ اسے گندوں میلوں اور بخیلوں کا مذہب مشہور کرکے بدنام کردیں تمہیں اسکے متعلق یہ نظریہ قائم نہ کرنا چاہئے بلکہ حضورؐ کا یہ فرمان پیش نظر رکھنا چاہئے کہ "اللہ تعالیٰ کو یہ چیز بہت پسند ہے کہ وہ اپنے بندے پر اپنی دی ہوئی نعمت کا اثر دیکھے" اگر تم اس دین کا تحقیقی مطالعہ کرتیں اور قرآن مجید و احادیث کا علم حاصل کرتیں تو کبھی ایسے اعتراضات اور بودے سوالات نہ کرتیں۔

دونوں لڑکیاں یک دم خوش ہوگئیں جیسے کوئی میدان جیت لیا ہو اور نسیمہ کو گھور گھور کر دیکھنے لگیں۔ لیکن اس نے سوالات کا سلسلہ اسی طرح جاری رکھا، ذرا ترش لہجے میں کہنے لگی:

— لیکن کھانا کھانے کا جو عجیب طریقہ تم نے اپنا رکھا ہے اسکے متعلق کیا کہوگی؟ رسول اللہؐ اور صحابہؓ کی طرح تم بھی ہاتھ سے کیوں نہیں کھاتیں؟ یہ مختلف برتنوں، کانٹوں اور چمچوں کا استعمال تم نے کس طرح روا رکھا ہے؟ اور کرسی میز کو تم کیوں استعمال کرتی ہو؟ یہ باتیں مغرب کی تقلید میں شمار نہیں ہیں؟ کیا یہ ان کی ذہنی غلامی نہیں؟

نسیمہ کا یہ سوال سنتے ہی کمرے میں خاموشی طاری ہوگئی سب کی زبانیں گنگ تھیں لیکن کان منتظر تھے کہ دیکھو نجمہ اپنی غلطی کا اعتراف کب کرتی ہے۔

نجمہ بھی اسکے تُرش لہجہ کو بغور دیکھ رہی تھی، دوسروں پر جو اس کا اثر و رعب پڑا وہ بھی اسکے پیش نظر تھا۔ یہ سب باتیں مدنظر رکھ کر اس نے سوچا کہ اب ایسا مدلل و مکمل جواب دینا چاہئے کہ اس کا یہ تمام افسوں ٹوٹ جائے اور آگے اس کو کوئی سوال کرنے کی جرأت نہ ہو۔ وہ کہنے لگی:

—— نسیمہ ذرا سنو...... تمہیں شاید اس کا اندازہ نہیں کہ یہ برتن اور دیگر اشیاء جن کو ہم کھانے کیلئے استعمال کرتے ہیں اگر حضور صلعم کے زمانے میں ہوتیں تو آپ ضرور ان کو استعمال کرتے اور دوسروں کو بھی ان کا حکم دیتے، کیونکہ آپ نے صرف انہی چیزوں کو ترک کیا ہے جنہیں خدا نے حرام کیا ہے اور انہی کو اختیار کیا ہے جن کا خدا نے حکم دیا ہے، یہ چمچے اور برتن ایسی چیزیں ہیں کہ ان کو حلال و حرام سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ ان کو استعمال میں لانے سے ہم کوئی دین کے منافی عمل کے مرتکب نہیں ہوتے اور نہ اسمیں غیروں کی تقلید کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

اس نے ایک نظر سب کو دیکھا اور اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا:

—— شریعت اسلامی میں ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ... جس چیز کا رسول اللہ نے حکم دیا ہے ہم حتی الوسع اسکو سرانجام دینے کی کوشش کرینگے اور جس چیز سے منع کیا ہو اس سے بہرحال بچیں گے اور جس کے متعلق آپ نے سکوت اختیار فرمایا ہے وہ مباح ہے بشرطیکہ اس پر عمل کرنے سے بندگانِ خدا کو کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو اور نہ دینی تعلیمات کی روح کے منافی کوئی بات پیش آتی ہو۔

پھر وہ نسیمہ کی طرف متوجہ ہوکر بولی:

—— لہٰذا ان حقائق کی روشنی میں جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے روزمرہ کے استعمال کے برتنوں اور چمچوں وغیرہ سے صفائی برقرار رہتی ہے جس کا ہمارے رسولؐ نے کافی شدت سے حکم دیا ہے اور اس صفائی سے بیشمار مفید نتائج برآمد ہوتے ہیں جن سے کوئی ذی عقل انکار نہیں کرسکتا —— تو ان کا استعمال ہمارے لئے دینی لحاظ سے ضروری ہوا، نہ کہ دوسروں کی تقلید میں...... ہم آخر دینی احکام کو سمجھنے سے کیوں بھاگیں؟ اپنے آپ کو دوسروں کے آگے ذلیل کیوں کریں؟

آخر اس نے یہ بات کہکر اپنی گفتگو ختم کی:

—— جو کچھ کہنا تھا میں تم سے کہہ چکی..... اس سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ تم کو اس دین کے ضروری اور اہم گوشوں سے واقف کردوں اور اس کا مزاج تمہارے ذہن نشین ہوجائے یہ وہ دین ہے کہ اگر ہم اس کی قدر و قیمت سے آشنا اور اسکی تعلیمات پر گامزن ہوجائیں تو دنیا کی "لیڈرشپ" ہمارے ہاتھ میں ہو اور اسکی سرداری و حکمرانی کے مستحق کہلائیں اور اس طرح دونوں جہان کی سُرخروئی ہمیں حاصل ہو"!

نسیمہ یہ پانسہ پلٹتا دیکھ کر بہت شرمندہ تھی، اس نے اب زبان پر تالا لگالیا تھا... دونوں سہیلیاں یہ منظر دیکھ ر تھیں لیکن انہوں نے اسے زیادہ تنگ نہ کیا، البتہ نجمہ کو اس کی فتح

پر مبارکباد دی کہ اس نے ایک نازک موقع پر اپنی اور اپنے دین کی عزت رکھ لی۔

اسی وقت خادم ناشتہ کیلئے کچھ کیک، پیسٹری وغیرہ لے آیا اور نسیمہ نے دوسری باتیں شروع کر کے موضوعِ گفتگو بدل دیا۔ اسکے بعد رات نے بھی اپنی زلفیں پھیلانی شروع کر دیں اور تاریکی چھانے سے پہلے ہی وہ دونوں سہیلیاں اجازت لیکر چلی گئیں۔

ان کے جاتے ہی رضیہ اور اسکی والدہ نجمہ اور اسکے خاوند کو الوداع کہنے آئیں کیونکہ وہ دونوں صبح سفر کو روانہ ہونے والے تھے اور ان سب نے رات وہیں بسر کی۔

اس رات نجمہ اور رضیہ سے متعلق اگر کوئی قابلِ ذکر واقعہ ہے تو وہ یہ ہے کہ نسیمہ نے ان پر خوب چوٹیں کیں اور حسبِ عادت ان کی دینی پابندی کا مذاق اُڑاتی رہی۔ خوش قسمتی سے محسن اسکے مذاق کو نہ سمجھ سکا، یا تو وہ ادھر متوجہ نہ تھا یا اس کا پس منظر اسکے سامنے نہ تھا۔

الغرض وہ دونوں صبح سویرے سفر پر روانہ ہو گئے اور محسن ابھی تک یہی سمجھ رہا تھا کہ اسکی بیوی "تہذیبِ نو کی دلدادہ اور فیشن پرست" ہے لیکن مستقبل تیار کھڑا تھا کہ کس دن اس کی یہ غلط فہمی دُور کرے۔

—"صاحب آ گئے ہیں...... آؤ بھائیوں، کمروں کے دروازے کھول دو"۔

یہ ہے وہ جملہ جو قاہرۂ جدید والی کوٹھی کے دربان نے محسن اور نجمہ کی کار آتے دیکھ کر وہاں کے ملازمین سے کہا۔

پھر باغبان بھی فوراً آپہنچا اور سامان وغیرہ اٹھانے میں اس کی مدد کرنے لگا۔ وہ دونوں بکس اُٹھا اُٹھا کر گھر کے ملازمین کو دینے لگے جن میں اکثریت عورتوں کی تھی

یہ پہلا موقعہ تھا کہ وہ اپنے مستقل گھر میں داخل ہوئے۔ محسن نے اپنی بیوی کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالا اور کوٹھی کے وسیع پائیں باغ کی طرف خراماں خراماں چل پڑا اور اس کی پتھروں سے پٹی ہوئی پگڈنڈی پر سے گزر کر رخامی زینہ پر پہنچا، اوپر چڑھ کر بالاخانہ کی سیر کی، وہاں کے تمام کمروں اور ہالوں کو دیکھا، سب کے سب کمرے اعلیٰ قالینوں اور عمدہ فرنیچر سے آراستہ و پیراستہ تھے۔

تھوڑی دیر یہاں گھومنے کے بعد وہ خوش خوش دوسرے لکڑی کے زینہ پر چڑھے جو دوسری منزل پر جاتا تھا اسکے کمروں میں داخل ہونے سے پہلے ان کی نظر ایک "پیانو" پر پڑی جو بڑے ہال کے بیچ میں دھرا تھا۔ کرسی پر بیٹھ کر نجمہ نے اسکے تاروں کو حرکت دی اور جادو بھرے سازو ترنم سے اپنے خاوند کو مسحور کر دیا جس کی خاطر خواہ "قیمت" اُسے فوراً ہی مل گئی۔

اتنی دیر میں باورچن نے بھی کھانا تیار کر لیا اور اسے میز پر قرینہ سے لگا کر انہیں اطلاع بھجوادی۔ سب کمروں کی سیر کر کے وہ نیچے کھانے کے کمرہ میں اتر آئے۔

کھانا کھا چکنے کے بعد انہیں سفر کی تکان محسوس ہوئی اور آرام لینے کے لئے کچھ دیر سو گئے۔ اب جاگنے کے بعد لازمی ہے کہ وہ سب سے اُوپر اپنا شاندار "بالائی باغ" دیکھنے جائینگے۔ اور وہاں کم از کم شام کی چائے ضرور پئیں گے۔

(باقی صفحہ ۴۷)

تنقید و تبصرہ

(م۔ع۔ن)

نصرۃ القرآن فی الذب عن آیات القرآن

از مولانا عبدالحمید خان صاحب ارشد، تقطیع متوسط، ضخامت ۳۳۴ صفحات، کاغذ، کتابت، طباعت عمدہ قیمت مجلد صہ، مع محصول ڈاک، ملنے کا پتہ:۔ ڈاکٹر عبدالحمید صاحب صدیقی یونائیٹڈ، مجید موٹر کمپنی، بندر روڈ، کراچی نمبر ۱

اس ملک میں انکار حدیث کا فتنہ سب سے پہلے عبداللہ چکڑالوی نے برپا کیا، پھر اسلم جیراجپوری نے اس کو ترقی دی اور اب چودھری غلام احمد پرویز نے اس کی ترویج و اشاعت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی ہے۔ یوں تو عرشی، برق، تمنا عمادی وغیرہ وغیرہ بہت سے لوگ ہیں جو اس کار شر میں پیش پیش ہیں لیکن اس کی چودھرایت اور سربراہی پرویز ہی کے حصّہ میں آئی ہے۔ چنانچہ حال ہی میں اس ناپاک مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے قوم سے ایک لاکھ روپے کی اپیل کی گئی ہے اور رسالہ "طلوع اسلام" سے جو اس مقصد کا نقیب ہے معلوم ہوا ہے کہ بیس ہزار روپیہ اس سلسلہ میں جمع بھی کیا جا چکا ہے اور کیوں نہ ہو چودھری غلام احمد بٹالوی کو مرزا غلام احمد قادیانی سے قرب مکانی اور قرب روحانی دونوں حاصل ہیں۔ بٹالہ اور قادیان کچھ دور نہیں پاس پاس ہیں۔ غلام احمد آنجہانی تو ختم نبوت کا انکار کر کے خود شریک نبوت ہونے کا دعویدار تھا اور اسی لئے اس نے کسی نہ کسی حد تک برقرار بھی رکھا تھا لیکن غلام ثانی نے سرے سے مذہب کی لُٹیا ہی ڈبو دی ہے قرآن میں اللہ، رسول اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم ہے، غلام احمد پرویز لکھتا ہے:۔

"اللہ رسول سے مُراد ہی مرکز ملت ہے اور "اولوا الامر" سے مفہوم افسران ماتحت"

(معارف القرآن ج ۴ ص ۶۲۵ و ۶۲۶)

دینِ پرویزی میں یہ مرکز برابر ملت کی طرف منتقل ہوتا رہتا چنانچہ اسی کتاب کے صفحہ ۲۲۶ پر ہے:۔

"باقی رہا منصب مرکز ملت، سو یہ ملت کی طرف منتقل ہو جائے گا اور سلسلہ بسلسلہ آگے چلے گا۔ لہٰذا نظام دین کا انحصار کسی شخصیت پر نہیں"

ظاہر ہے کہ جب نظام دین کا انحصار کسی شخصیت پر نہیں تو اطاعتِ رسول کی کیا حاجت، اسی لئے پرویز کہتا ہے:

"اطاعت صرف خدا کی ہو سکتی ہے، کسی انسان کی نہیں حتّٰی کہ رسول بھی اپنی اطاعت کسی سے نہیں کرا سکتا" (معارف القرآن ج ۴ ص ۶۸۶)

دینِ پرویزی میں رسول کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی شے کو قرار دیدے[1]۔ پرویز کے الفاظ ہیں:۔

[1] حالانکہ قرآن نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہی تحلیل و تحریم فرمایا ہے ارشاد ہے وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ۔

"قرآن تو رسول کو بھی یہ حق نہیں دیتا کہ وہ کسی شے کو حرام قرار دیدے تا بدیگراں چہ رسد"۔

(رسالہ طلوع اسلام ص ۳۶۔ فروری ۵۲ء)

اس کے نزدیک

"حضور کی زندگی کا ہر ہر واقعہ آنے والوں کے لئے نمونہ نہیں"۔ (معارف القرآن ج ۴۔ ص ۶۹۲)

لیکن اسی کے ساتھ مرکز ملت کو جس کے صدر پرویز صاحب بھی ہو سکتے ہیں یہ اختیار حاصل ہے کہ

"جن جزئیات کو بدلنے والے احوال و ظروف کے مطابق قابلِ تغیر و تبدل سمجھا گیا انھیں قرآن نے بلا تعین چھوڑ دیا کہ ہر زمانے میں ان کا تعین خود کر لیا جائے، رسول اللہ نے اپنے زمانے کے احوال و اقتضاعات کے مطابق بہ حیثیت[1] مرکز نظام دین ان کا تعین فرمایا بعد میں آنے والے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق ان میں ردو بدل کر سکتے ہیں"۔

(معارف القرآن ج ۴ ص ۶۹۲)

مثلاً زکوٰۃ کے متعلق :-

"ہر دور کی اسلامی حکومت یہ خود متعین کرے گی کہ اسے کس قدر روپے کی ضرورت ہے اور اسی حساب سے وہ قوم سے ٹیکس وصول کرے گی"۔ و قس علی ھذا

(معارف القرآن ج ۴۔ ص ۶۴۹ و ۶۵۰)

ظاہر ہے کہ جب مرکز ملت کے حدود و اختیارات اس درجہ وسیع ہیں تو پھر دینِ محمدی کے دیگر عقائد و اعمال کو آخر کیوں نہ جدید طریقہ پر درست کیا جاتا چنانچہ اب دینِ پرویزی میں حسبِ ذیل اصلاحیں ہو چکی ہیں

۱۔ آخرت سے مُراد قرآن میں :

"قرآن ان پیش پا افتادہ قریبی مفاد عاجلہ کو "دنیا" سے تعبیر کرتا ہے اور مستقبل کا نام آخرت رکھتا ہے لہٰذا اس کے نزدیک "متاع دنیا" سے مفہوم ہوتا ہے وہ مفاد جو انسان صرف اپنی ذات کے لئے "تلاش کرتا ہے اور "سامانِ آخرت" سے مقصود ہوتا ہے وہ متاع جسے وہ آنے والی نسلوں کے لئے تیار کرتا ہے"۔ (طلوعِ اسلام ص ۱۰ فروری ۱۹۵۲ء)

۲۔ جنّت دوزخ کے بارے میں لکھا ہے :

"سلسلہ ارتقاء میں آگے بڑھ جانا جنت کی زندگی ہے اور نشو و نما کی صلاحیت کے سلب کر چکنے کے بعد سلسلہ ارتقاء میں رک جانے کا نام جہنم کا عذاب ہے .... اس لئے جنت یا جہنم کسی خاص مقام کا نام نہیں کیفیاتِ زندگی کی تعبیر ہے" (طلوع اسلام ص ۲۵ نومبر ۵۱ء)

۳۔ بعث بعد الموت کے متعلق سُنئے :

"زندگی نہ پیچھے مُڑتی ہے نہ بار بار اعادہ کرتی ہے ...... لہٰذا زندگی میں رجعت و تکرار نہیں"

(طلوع اسلام ص ۱۵ و ۱۶ اکتوبر ۵۱ء)

۴۔ ملائکہ یعنی فرشتوں کا ترجمہ ان کے نزدیک "کائناتی قوتیں" (طلوع اسلام ص ۴۰ فروری ۱۹۵۲ء) یا اطمانیتِ قلب کی دولت ہے۔ (معارف القرآن ج ۳۔ ص ۵۱۹)

[1] یہ بہ حیثیت یاد رہے کہ نبوت کی حیثیت نہیں ہے کیونکہ اس حیثیت سے تو دینِ پرویزی میں رسول بھی اپنی اطاعت کسی سے نہیں کرا سکتا۔

۵ - نماز کے بارے میں ان کی رائے یہ ہے :-

"مذہب میں یہی نظام صلوٰۃ نماز پڑھنے میں تبدیل ہوگیا جس کا کوئی نتیجہ سامنے نہیں آتا"

(طلوع اسلام ص ۱۲۲ جنوری و فروری ۱۹۵۰ء)

۶ - بقیہ ارکانِ دین کے متعلق ملاحظہ ہو :

"جس طرح ملوکیت کے استبداد میں منافقانہ زندگی خوشامد کا رنگ اختیار کر لیتی ہے اسی طرح مذہب کی دنیا میں منافقانہ زندگی بھی خوشامدانہ مسلک اختیار کر لیتی ہے، اس میں خدا کا تصور ایک جابر و مستبد بادشاہ کا سا قائم ہو جاتا ہے جس سے انسان ڈرتا ہے خوف کھاتا ہے، اس لئے اسے خوش رکھنے کے لئے اس کی پرستش کرتا ہے اسکے حضور چڑھاوے چڑھاتا ہے (مذہب میں نماز روزہ، صدقہ، خیرات اسی خوشامدانہ مسلک کے مظاہر بن جاتے ہیں اور اس طرح انسان بزعم خویش خدا کو خوش کر لیتا ہے"

(طلوع اسلام ص۳۷ فروری ۱۹۵۲ء)

۷ - حج کیا ہے اور قربانی کیا چیز ہے۔

"نماز ان کی پوجا پاٹ، حج ان کی یاترا، رسوم باقی، خودنما ...... حج کرنے جاتے ہیں تاکہ عمر بھر کے گناہوں کا کفارہ ادا کر آئیں الخ ...... نتیجہ اس کا وہ سکرات موت کی ہچکیاں جن میں پوری کی پوری اُمت گرفتار ہے"

(معارف القرآن ج ۴ ص ۳۹۲)

پرویز کے نزدیک :-

"حج عالم اسلامی کی بین الملی کانفرنس کا نام ہے اس کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کے خورونوش کے لئے جانور ذبح کرنے کا ذکر قرآن میں آیا ہے بس یہ تھی قربانی کی حقیقت جو آج کیا سے کیا بن کر رہ گئی" (رسالہ قربانی از پرویز ص۲)

غرض یہ ہے کہ وہ "دین پرویزی" جس کو غلام احمد ثانی دی[ن]
محمدی کے بالمقابل رائج کرنا چاہتا ہے اور جس کے
ایک لاکھ روپے کا چندہ مانگا جا رہا ہے۔ سچ یہ ہے کہ آ
جو بھی اس فتنۂ انکارِ حدیث اور فتنۂ مرزائیت کی سرکوبی
لئے کھڑا ہوگا۔ کل فردائے قیامت میں وہ آنحضرت صلی ا
علیہ وسلم کی شفاعت کا مستحق ہوگا۔ کیونکہ یہ دونوں فت
براہ راست حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیثیت پر ض
لگاتے ہیں۔ اگر غلام احمد آنجہانی نے آپ کے ساتھ رسال
و نبوت میں شریک ہو کر آپ کے شرف خاص خ
النبیین کو ختم کرنے کی ناکام کوشش کی تھی تو غلام ا
ثانی نعوذ باللہ آپ کی حیثیتِ نبوت ہی کو سرے سے
کر دینا چاہتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک آپ کی تمام احاد
کی حیثیت دینی نہیں بلکہ تاریخی ہے۔ خدا کا شکر ہے ک
نے اپنی دین کی نصرت کے لئے مولانا عبدالحمید خاں ص
ارشد کو کھڑا کیا جنھوں نے "نصرۃ القرآن" لکھ کر
پرویزی کے تار پود بکھیر کر رکھ دیئے۔ جزاہم اللہ تعا
عنا و عن سائر المسلمین خیر الجزاء۔ ڈاکٹر عبدالحمید صاحب
بھی مستحق مبارکباد ہیں کہ ان کو اللہ تعالےٰ نے اس مبارک

کتاب کی نشر واشاعت کی توفیق عطا فرمائی اللہ تعالےٰ ان دونوں حضرات کو اس کارِ خیر پر اپنے شایانِ شان جزا عطا فرمائے۔

انکارِ حدیث کا فتنہ اس دور کا بہت بڑا فتنہ ہے یہ درحقیقت مذہبِ اسلام کے خلاف ایک بہت بڑی سازش ہے مسلمانوں کو اس سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔ "نصرۃ القرآن" کے مطالعہ سے پرویزی الحاد و زندقہ کی حقیقت بالکل آشکارا ہو جاتی ہے۔ فاضل مصنف نے پرویزی افکار کا خوب جائزہ لیا ہے اور چودھری صاحب کی تلبیسات کی قلعی کھول کر رکھدی ہے۔ ہر مسئلہ پر بڑی سیر حاصل بحث ہے۔ پیرایۂ بیان دلنشین اور طرزِ استدلال محکم و متین ہے عام مسلمانوں کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ازبس ضروری ہے تاکہ اس نئے فتنے سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکیں۔

باقی مضمون صفحہ ۴۳ :-

وہ دن انہوں نے اسی طرح خوشنما "بالائی باغ" اور اونچی چار دیواری والے پائیں باغ میں سیر و تفریح کر کے گزارا۔ وہاں وہ ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے دو پروانے پھولوں اور کیاریوں میں اڑتے پھر رہے ہوں۔

شام کو نجمہ نے اپنا وہ گھریلو لباس اتارا جو وہ باغ میں ملازموں کے سامنے پہنتی تھی اور رات کا ریشمی لباس پہنا جس سے اسکے نرم و نازک جسم کو کچھ راحت محسوس ہوئی اب وہ اپنی مکمل زیب و زینت میں تھی۔

الغرض یہ دونوں دُلہا دُلہن اپنے نئے گھر میں ابتدائی ایام اسی طرح گزارتے رہے، حتیٰ کہ ان کی شادی کو تین ماہ گذر گئے ۔۔۔ اور اس طویل عرصہ میں نہ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آیا اور نہ ان کی باہمی محبت میں کوئی چیز دخل انداز ہوئی، البتہ نجمہ کو کبھی کبھی کچھ بےچینی لاحق ہوتی تھی جبکہ وہ دیکھتی کہ اسکا خاوند احکامِ الٰہی سے کوسوں دُور ہے اور فرائضِ دینی کو نظر انداز کئے ہوئے ہے۔۔۔ لیکن جب بھی وہ بہت بےچین ہوتی اور بےقرار ہو کر اسے ہدایت اور نصیحت کرنیکا ارادہ کرتی تو مصلحتاً رُک جاتی اور کسی اچھے موقعہ کی تلاش میں رہتی۔

ان ایام میں محسن ہمیشہ اپنی بیوی کیساتھ رہا کرتا تھا، صرف دفتر جانیکے اوقات میں علیحدہ رہتا اور اس دوران میں نجمہ گھر کے کام کاج اور کتب کے مطالعہ میں مشغول ہو جاتی۔۔۔۔ دفتر سے فارغ ہوتے ہی وہ اپنی "جنت" کو جلد واپس لوٹتا اور وہاں اپنی "حور" کو زریں پوشاک میں ملبوس سراپا انتظار پاتا، اسکے عطر و سینٹ میں بسے ہوئے کپڑوں سے خوشبو کی لپٹیں اٹھتی تھیں، اس وقت وہ مکمل آرائش و زیبائش میں سچ مچ ایک پری معلوم ہوتی تھی محسن آتے ہی اس کو ایک محبت بھرا بوسہ دیتا ۔۔۔ اور باقی دن وہ ایک ساتھ گزارتے ۔۔۔۔ وہ اسکے بغیر کہیں باہر نہ جاتا، جہاں بھی نظر آتا تو اسی کے ساتھ نظر آتا۔

کبھی وہ کار میں بیٹھکر دُور افتادہ مقامات اور آہرام کی سیر کو بھی چلے جاتے تھے لیکن ان کا اکثر آنا جانا رات کے وقت کوٹھی کے قریب کے باغوں میں بھی ہوا کرتا تھا۔ وہاں تنہائی کے وقت وہ دو سچے عاشقوں کی طرح ہاتھ میں ہاتھ ڈالے وفا و محبت کی باتیں کر کے اپنا دل بہلاتے تھے۔۔۔۔ جہاں تک سینما و فلم دیکھنے کا تعلق ہے تو انہیں وہ اسی وقت جاتے جب نجمہ کی طبیعت کے مطابق کوئی فلم آتی اور وہ اسکے دیکھنے پر رضامند ہوتی۔۔۔۔۔ الغرض گرمیوں کے دن تو اس طرح خوشی سے کٹے ۔۔۔ اب دیکھئے سردیوں میں کیا ہونا ہے؟

"نجمہ" کی سولھویں قسط ۔۔۔۔ ماہ ستمبر کے "تذکرہ" میں ۔۔۔ ملاحظہ فرمائیے

(باقی مضمون صفحہ ۳۶)

ان تفاصیل کا ماحصل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے سلطنت کا نیا تخیل پیش کیا۔ یعنی امیرِ قوم کو خادمِ قوم بنا ڈالا۔

ہمارے امرا کی جو حالت ہے وہ تفصیل کی محتاج نہیں۔ غرور و تمکنت سے وہ کسی غریب سے بات تک بھی نہیں کرتے اور اس کا سلام لینے تک کو اپنی تحقیر و توہین سمجھتے ہیں۔ بعض امرا کو ہم نے دیکھا ہے جب وہ غربا سے ملتے ہیں اور پھر وہ تو غربا سے ملنے کیوں جائیں گے بلکہ غربا ہی ان کے پاس آتے ہیں تو کبھی امیر کو کسی غریب سے معانقہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا جو سنتِ انبیاء ہے۔ بلکہ مصافحہ میں بھی اتنی تنگ دلی کرتے ہیں کہ مصافحہ میں پنجہ سے پنجہ ملانا سنتِ نبوی اور اخلاق میں داخل ہے۔ مگر یہ مسلمان اس سے جب مصافحہ کریں گے تو پورا پنجہ غریب مسلمان کے ہاتھ میں نہیں دیں گے۔ دو تین انگلیوں کے چھوڑ دینے ہی کو مصافحہ سمجھتے ہیں، پھر مسجدوں اور مدرسوں میں چندہ دینے والے امیروں کا مدرسوں اور مسجدوں میں داخل ہو کر محکمانہ لہجہ میں مؤذنوں اور طلبہ سے اُلجھنا اور ان کی حقارت کرنا ان کی روزمرہ کی بات ہے۔ الا ماشاء اللہ

بہت کم ایسے امیر دیکھے گئے ہیں جو غریب طلبا، اور علماء و محتاج مسلمانوں کو عزت کی نظر سے دیکھتے ہوں۔ پھر اگر یہ مدرسوں و انجمنوں اور جمعیتوں کو چندہ بھی دیتے ہیں تو اسے اپنے اوپر جرمانہ تصور کرتے ہیں۔ پوری زکوٰۃ حساب کر کے دینے والے آپ کو شاذ و نادر ہی ملیں گے۔ بہت سے ایسے زمینداروں اور کاشتکاروں سے ہم باخبر ہیں جن پر عشر و زکوٰۃ فرض ہے مگر ادا کرنے کا نام نہیں لیتے۔ اگر کبھی مدرسے کا محصل ان کے پاس پہنچ جاتا ہے تو پہلے جلی کٹی مدرسہ والوں کو سُنا دیتے ہیں اور پھر محصل کو دوسرے وقت کے لئے ٹال دیتے ہیں۔

بزرگوار دوستو! ہم جانتے اور سمجھتے ہیں کہ ہم بہت سی تلخ باتیں کہہ گذرے ہیں اور ہماری یہ عاجزانہ گذارشات آپ کو تلخ معلوم ہوتی ہوں مگر یقین جانئے کہ یہ اصل واقعات و حقائق ہیں۔ اگر آپ غور کریں گے تو مسلمانوں کے تنزّل کا پس منظر یہی دونوں جماعتیں ہیں۔ اگر آج ہمارے علماء راستی پر آجائیں اور اپنے حالات کو موافقِ سلف صالحین بنا لیں اور امرا صحیح خیر خیرات کرنا سیکھ لیں اور موقع و محل سمجھ کر شریعت کے مطابق خرچ کریں تو کل نہیں بلکہ آج ہی مسلمانوں کی بگڑی بن سکتی ہے۔

(واللہ الموفق)

بشیر محمد۔ طابع و ناشر نے مشہور آفسٹ لیتھو پریس کراچی میں طبع کرا کر دفتر "تذکرہ" آرام باغ کراچی سے شائع کیا

TAZKERAH

Regd. No. S-1733

ماہوار رسالہ تذکرہ، آرام باغ کراچی